اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ
الامداد
لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۳ | جمادی الثانی ۱۴۴۳ھ | جنوری ۲۰۲۲ء | شمارہ ۱

نورُ النور

قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے | زرسالانہ =/۴۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049
پتہ دفتر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

وعظ

نورُالنور

(قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے یہ وعظ بعض مہمانوں کی درخواست پر ۳ صفر ۱۳۴۵ھ کو تھانہ بھون مسجد خانقاہ امدادیہ میں بعد نماز جمعہ کرسی پر تشریف فرما ہوکر ۳ گھنٹے ۴۵ منٹ تک ارشاد فرمایا۔

موضوع تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر، اور ان لوگوں کا رد جو اہل حق کو مجلس مولد سے منع کرنے کی وجہ سے بدنام کرتے ہیں۔ اور اس بات کا بیان کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع اوامر ونواہی میں مجرد ذکر فضائل وولادت سے افضل ہے۔ یہ بہترین وعظ ہے سب سامعین حیران متأثر تھے ہر طبقہ کو مفید ہے، شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی نے ضبط فرمایا۔

اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۔ ربیع الاول ۱۴۴۳ھ

نورُالنور

(قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱.....	دونعمتوں کا تذکرہ.....	۹
۲.....	وعظ کہنے کی وجہ.....	۱۰
۳.....	صوفیاء اور علماء کی رائے میں اختلاف.....	۱۱
۴.....	صوفیا اور علماء میں فرق کی تمثیل.....	۱۲
۵.....	منکر سماع اور تارک سماع میں فرق.....	۱۲
۶.....	حقیقتِ مشاہدہ.....	۱۳
۷.....	ایمان کامل کی حقیقت.....	۱۴
۸.....	مشاہدہ کاملہ کی حقیقت.....	۱۵
۹.....	ترک عمل پر نفی ایمان کی وجہ.....	۱۵
۱۰.....	درجات علم.....	۱۶
۱۱.....	بیوی سے محبت کرنا.....	۱۷
۱۲.....	حقیقت مجاہدہ.....	۱۸
۱۳.....	چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہیں.....	۲۰
۱۴.....	أَلْقُوْا مَآ أَنتُم مُّلْقُوْنَ کی حکمت.....	۲۱
۱۵.....	مختلف احوال.....	۲۲

۱۶.....	حضرت جنید بغدادی کا حال.....	۲۲
۱۷.....	شیخ عبدالحق ردولوی کا حال.....	۲۳
۱۸.....	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال.....	۲۳
۱۹.....	حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا حال.....	۲۴
۲۰.....	حضور ﷺ کا فیصلہ.....	۲۵
۲۱.....	مقولے کی اصلاح.....	۲۶
۲۲.....	سوال وجواب.....	۲۶
۲۳.....	طوطی کی حکایت.....	۲۷
۲۴.....	حضور ﷺ کی کیفیت.....	۲۸
۲۵.....	اعمال ظاہر کی ضرورت.....	۲۹
۲۶.....	شبہ کا جواب.....	۳۰
۲۷.....	اصلی مجاہد.....	۳۰
۲۸.....	طبیعت نہیں بدلتی.....	۳۱
۲۹.....	اصل جنت کی پہلی دعوت.....	۳۲
۳۰.....	حلِ اشکال.....	۳۳
۳۱.....	جنت کی نعمتوں سے محرومی.....	۳۳
۳۲.....	سماع سے احتراز کی وجہ.....	۳۵
۳۳.....	میلاد النبی نہ منانے کی وجہ.....	۳۵
۳۴.....	نقشبندیوں کا مذاق.....	۳۶
۳۵.....	چشتیوں کا مذاق.....	۳۷
۳۶.....	میلاد میں قیام کی حقیقت.....	۳۷
۳۷.....	ربیع الاول کے فضائل.....	۳۹

۳۸.......... ربیع الاول افضل ہے یا رمضان.......... ۳۹
۳۹.......... معیار حسن.......... ۴۰
۴۰.......... ملاجیون کی حکایت.......... ۴۰
۴۱.......... ۱۲ ربیع الاول کی تخصیص کی ممانعت کی وجہ.......... ۴۱
۴۲.......... میلاد پڑھنے والوں کا حال.......... ۴۲
۴۳.......... میلاد میں قیام کرنے والوں کی اصلاح کا طریقہ.......... ۴۳
۴۴.......... قولِ فیصل.......... ۴۴
۴۵.......... ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت.......... ۴۵
۴۶.......... سیرت نگاری.......... ۴۶
۴۷.......... حضرت عمرؓ کا حال.......... ۴۷
۴۸.......... صحابہؓ کے کمالات.......... ۴۸
۴۹.......... حقیقی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.......... ۴۹
۵۰.......... حکایت.......... ۵۰
۵۱.......... ذکر میلاد کی ضرورت وطریقہ.......... ۵۱
۵۲.......... حضرت تھانویؒ کی محفل میلاد.......... ۵۲
۵۳.......... تجلی حق کے عالم میں موجودگی کی تمثیل.......... ۵۳
۵۴.......... احادیث نبویہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات جلوہ گر ہے.......... ۵۵
۵۵.......... مولانا محمد اسمٰعیل شہید.......... ۵۶
۵۶.......... سامعین پر وعظ کا اثر.......... ۵۷
۵۷.......... طریقہ میلاد بزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم.......... ۵۸
۵۸.......... تفسیر آیت.......... ۵۹
۵۹.......... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن.......... ۶۱

۶۰..... لوح محفوظ کی مثال..... ۶۲

۶۱..... کمالات نبوی کا مظہر..... ۶۴

۶۲..... قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کو لفظ نور سے تعبیر کرنے کی وجہ..... ۶۵

۶۳..... سرداران قریش کا تکبر..... ۶۶

۶۴..... ابوطالب بوجہ عار ایمان نہ لائے..... ۶۷

۶۵..... فرعون کا بوجہ تکبر ایمان سے انکار..... ۶۸

۶۶..... حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہونے کی تمنا نہ کرو..... ۶۹

۶۷..... قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت..... ۷۰

۶۸..... جانوروں کی جاں نثاری..... ۷۰

۶۹..... وصف نور کا ذکر..... ۷۱

۷۰..... اخبار الجامعہ..... ۷۳

❁❁❁
❁

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ و نشھد انّ سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و بارك وسلم اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَدۡ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٞ وَكِتَٰبٞ مُّبِينٞ يَهۡدِي بِهِ ٱللَّهُ مَنِ ٱتَّبَعَ رِضۡوَٰنَهُۥ سُبُلَ ٱلسَّلَٰمِ وَيُخۡرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذۡنِهِۦ وَيَهۡدِيهِمۡ إِلَىٰ صِرَٰطٖ مُّسۡتَقِيمٖ (۱)

دو نعمتوں کا تذکرہ

یہ ایک آیت کا جزو ہے جس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی منت عظیمہ اور نعمت جسیمہ کا ذکر فرمایا ہے جو بندوں کو عطا کی گئی ہے اور وہ مجمل عنوان میں تو ایک نعمت ہے مگر درحقیقت تفصیل کے درجہ میں وہ دو نعمتیں ہیں لیکن وہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ باہم لازم وملزوم ہیں (۲) ایک کا ذکر دوسرے کے ذکر کو مستلزم ہے اب خواہ دونوں کو ذکر کیا جائے یا ایک ہی کے ذکر کو دلالت علی اللازم (۳) کی وجہ سے کافی سمجھا جاوے دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اب سمجھئے کہ وہ دو نعمتیں کیا ہیں۔ ایک تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا دوسرے قرآن کا نازل ہونا۔ یہ دونوں نعمتیں باہم متلازم ہیں اب اختیار ہے خواہ ان

(۱) سورۃ المائدہ: ۱۵۔۱۶ (۲) ایک دوسرے سے ایسی ملی ہوئی ہیں کہ ایک کے ذکر کے ساتھ دوسری کا ذکر بھی ضروری ہے (۳) دونوں کے ذکر پر دلالت کرنے کی بنا پر۔

میں سے ایک کو مدلول نص قرار دیا جائے (۱) اور دوسرے کو لزومًا مذکور مانا جائے یا برعکس کہ دوسرے کو مدلول نص مان کر اوّل کو لزومًا مذکور مانا جائے یعنی خواہ حضور ﷺ کو نعمت کہا جاوے تو قرآن کا نزول آپ کی نبوت کے لیے لازم ہوگا یا قرآن کو نعمت کہا جاوے اور حضور ﷺ کی بعثت کو لازم کہا جاوے غرض ہر نعمت دوسرے کو مستلزم ہے اور ہمارا مدعیٰ دونوں صورتوں میں حاصل ہے خواہ حضور ﷺ کو نعمت کہیں یا قرآن کو ہم کو بہر حال دونوں نعمتیں حاصل ہیں پس اب یہ نعمتیں اس شعر کا مصدق ہوگئیں۔

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف (۲)

دونوں میں تلازم ہے حضور ﷺ کی بعثت کے لیے نزول قرآن لازم (۳) اور نزول قرآن کے لیے آپ کی نبوت لازم اسی لیے بعض نے نور و کتاب دونوں سے قرآن کو مراد لیا ہے اور بعض نے نور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا ہے یہ حاصل ہے اس حصہ آیت کا۔

وعظ کہنے کی وجہ

وجہ محرک (۴) آج کے بیانکی بعض عزیز مہمانوں کی طلب ہے ورنہ میں نے آجکل وعظ کم کر دیا ہے جس کی وجہ کچھ تو عذر ہے جو آجکل مجھے لاحق ہے اور کچھ سبب یہ ہے کہ اب بیان کی امنگ نہیں رہی ایک تو اس لیے کہ اب تجربہ ہوگیا ہے کہ بیان سے جتنی توقع نفع کی ہوتی ہے اتنا نفع نہیں ہوتا جوانی میں تو جوش زیادہ تھا اور تجربہ بھی اس وقت کے برابر نہ تھا اس لیے باوجود عدم نفع متوقع (۵) کے بھی بیان کر دیا کرتا تھا اور اب جوانی کا جوش تو ہے نہیں اور تجربہ پہلے سے زیادہ ہوگیا اس لیے اب اُمنگ نہیں رہی اب جو کبھی بیان کا خیال ہوتا ہے کسی کی طلب پر ہوتا ہے۔ بہرحال ایک سبب تو بعض اضیاف (۶) کی تحریک ہے اور ایک وجہ یہ ہے کہ میرا اکثر مذاق یہ ہے کہ ربیع الاوّل کے

(۱) اس آیت کا مدلول قرار دیں (۲) میرا مقدر اگر مدد کرے کہ ان کا دامن ہاتھ میں آجائے اگر میں ان کو کھینچ لوں تو کیا خوب اگر وہ مجھے کھینچ لیں تو بہت ہی خوب (۳) حضور ﷺ کے مبعوث ہونے پر قرآن کا نزول لازم ہے (۴) سبب بیان (۵) فائدہ نہ ہونے کی توقع پر بھی (۶) مہمانوں کا اسرار۔

مہینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ بیان کرنے کو جی چاہتا ہے کیونکہ یہ مہینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت وتشریف آوری کا ہے اس وقت حضور ﷺ کی یاد تقاضے کے ساتھ دل میں پیدا ہوتی اور ایک خاص تحریک حضور ﷺ کے ذکر کی ہوتی ہے اگر اس کے ساتھ منکرات منضم نہ ہوتے (۱) تو اس ماہ میں یہ حالت اور اس حالت میں آپ کا ذکر کرنا علامت محبت ہوتی مگر افسوس ہے کہ منکرات کی وجہ سے اہل فتویٰ کو اس ذکر کی ہیئت مخصوصہ (۲) سے روکنے کی ضرورت ہوئی ورنہ یہ مسئہ فی نفسہا اختلافی ہونے کے لائق نہ تھا مگر اہل فتوی کو روکنے کی ضرورت ہوئی کہ یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ دفع مضرت جلب نفع سے مقدم ہے (۳) اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو سب کو حضور ﷺ سے محبت حاصل ہے اس لیے اس کی تبلیغ وجوب کے درجہ میں نہیں ہے صرف مستحب اور احب المستحبات ہے (۴) اور منکرات سے بچنا واجب ہے تو اس حالت میں حضور ﷺ کا ذکر کرنا اسی وقت مستحب ہوسکتا ہے جبکہ منکرات سے خالی ہو۔

صوفیاء اور علماء کی رائے میں اختلاف

اب اس میں صوفیہ کی اور علماء کی رائے مختلف ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ فعل مستحب کو کسی حال میں ترک نہ کیا جائے اور منکرات کی اصلاح کی جائے اور علماء کہتے ہیں کہ بعض احوال میں منکرات کی اصلاح اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ خود بھی اس کو ترک (۵) نہ کیا جائے اس لیے شیوع منکرات (۶) کے وقت وہ اس مستحب ہی کے ترک کا امر کرتے ہیں جس کے ساتھ منکرات کا انضمام ہوا ہے۔ اور اس بارے میں رائے علماء کی مانی جائیگی کیونکہ صوفیہ تو اہل شوق ہیں اُن کو دوسروں کے انتظام کی پروا نہیں یعنی جو صوفیہ کہ محض صوفی ہوں عالم محقق نہ ہوں۔ اور علماء منتظم ہوتے ہیں اور منتظم رائے غیر منتظم سے مقدم ہوتی ہے۔

(۱) ممنوعات نہ مل جائیں (۲) آج کل جس طرز سے ذکر کیا جاتا ہے (۳) نقصان سے بچنا بنسبت حصول فائدہ کے زیادہ ضروری ہے (۴) ان ایام میں تذکرہ کرنا مستحب ہی نہیں بلکہ بہت پسندیدہ ہے لیکن شریعت کی منع کردہ باتوں سے بچنا واجب ہے (۵) ممنوعات کی اصلاح اس وقت ممکن ہے جب اس کی فعل مباح کو ترک کریں (۶) منکرات کے عام ہونے پر۔

صوفیا اور علماء میں فرق کی تمثیل

دونوں کی حالت کا فرق ایک مثال سے سمجھئے مثلاً موسم وباء میں اطبا کا اس پر اتفاق ہوگیا کہ آجکل امرود زیادہ کھانا مضر ہے(۱) اس کے بعد ایک طبیب نے تو یہ کیا کہ امرود کھانا نہیں چھوڑا بلکہ قلیل مقدار میں مصلحات (۲) کی ساتھ کھاتا رہا اور ایک طبیب وہ ہے جس نے خود بھی امرود کا کھانا چوڑ دیا اس خیال سے کہ میں قلیل مقدار میں یا مصلحات کے ساتھ کھاؤں گا تو مجھے کھاتا ہوا دیکھ کر دوسرے بھی کھائیں گے اور وہ اُن امور کی رعایت نہ کریں گے جن کی رعایت میں کرتا ہوں بلکہ اندھا دھند کھائیں گے اور ہلاک ہوں گے اس لیے وہ بالکل ہی امرود کھانا چھوڑ دیتا ہے اور دوسروں کو بھی علی الاطلاق منع کرتا ہے بلکہ ٹوکرے کے ٹوکرے پھنکوادیتا اور دبوداد یتا ہے جس کی اس حالت کو دیکھ کر بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو امرود سے رغبت نہیں (۳) اور جو طبیب امرود کھارہے ہیں اُن کو امرود سے بہت رغبت ہے مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ رغبت تو اس کو ان کے برابر یا ان سے بھی زیادہ ہے مگر محض دوسروں کی رعایت سے ترک کررہا ہے بتلایئے ان دونوں میں کونسا طبیب لائق اتباع ہے یقیناً یہ دوسرا طبیب زیادہ قابل اقتداء ہے کیونکہ اُس کی رائے انتظام پر مبنی ہے سب اُس کی رائے کو ترجیح دیں گے بس یہی حال علماء اور صوفیہ کا ہے اپنے غلبۂ شوق کو ضبط نہیں کرتے بلکہ مستحب کو برابر کرتے رہتے اور اس کے ساتھ اصلاح منکرات کا قصد کرتے ہیں اور علماء بشرطیکہ خشک نہ ہوں انتظام کی وجہ سے اپنے شوق کو ضبط کرلیتے اور ظاہر میں اِس مستحب ہی کو ترک کردیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ بدون ترک مستحب کے منکرات کو ترک نہیں کرسکتے۔

منکر سماع اور تارک سماع میں فرق

صاحبو! کیا ہمارے دل میں یہ دیکھ کر گدگدی نہیں اُٹھتی کہ ہر طرف مجلس مولد ہورہی ہے مگر محض انتظام عوام کی وجہ سے ہم اپنے شوق کو دبائے بیٹھے رہتے ہیں۔ ایک

(۱) نقصان دہ (۲) تھوڑی مقدار میں امرود کھائے لیکن اس کے ساتھ ایسی ادویات بھی لیں جن سے اس نقصان سے بچ گیا (۳) پسند نہیں۔

صوفی نے جو صاحب سماع تھے اور مجھ سے محبت کرتے تھے اور میں بھی بوجہ اُن کے ذاکر اللہ ہونے کے ان سے محبت کرتا تھا کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو خواہ وہ کسی حال میں ہو ذکر اللہ کی وجہ سے مجھے اُس سے محبت ہوتی ہے مگر اُسی کے ساتھ دوسرے منکرات پر انکار بھی دل میں ہوتا ہے اور بشرط امید نفع امر بالمعروف بھی کر دیتا ہوں ان صوفی صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ چشتی ہو کر منکر سماع ہیں حیرت ہے؟ میں نے کہا کہ میں منکر سماع نہیں جس چیز کو بزرگوں نے کیا ہے میں اس کا منکر کیونکر ہو سکتا ہوں البتہ تارک سماع ہوں کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا آپ یہ بتلایئے کہ اس طریق کا حاصل کیا ہے، کہا مجاہدہ اور واقعی اس طریق کا خلاصہ دو ہی چیزیں ہیں ایک مشاہدہ ایک مجاہدہ وہ مقصود ہے اور یہ وسیلہ ہے(۱)۔

حقیقتِ مشاہدہ

مگر مشاہدہ کے معنی رویت نہیں ہیں بلکہ یہ اصطلاحی لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ خاص علماً بھی عملاً بھی غالب رہے۔ اور میں نے اس میں علماً اور عملاً کی قید اس لیے بڑھائی کہ محض غلبۂ توجہ علماً مشاہدہ نہیں ہے (۲) بلکہ مشاہدہ غلبۂ توجہ مع العمل (۳) کا نام ہے بعض لوگوں کو اس میں دھوکہ ہو گیا ہے انہوں نے محض ملکۂ یاد داشت کا نام نسبت و مشاہدہ رکھ لیا ہے ان کو بوجہ مشق طویل کے کسی وقت ذہول عن الحقنہیں ہوتا اس پر خوش ہیں کہ ہم صاحب مشاہد ہیں ہم کو کسی وقت حق تعالیٰ سے غیب نہیں ہوتی حالانکہ جب وہ غیبت کرتے ہیں اُس وقت ان کو حق تعالیٰ سے غیبت ہوتی ہے جب وہ حرام خوری کرتے اور مخلوق کا قرض لے کر مارتے ہیں اُس وقت بھی ان کو حق تعالیٰ سے غیبت ہوتی ہے گو علماً غیبت نہو مگر عملاً غیبت ضرور ہے اور جب عملاً غیبت ہے تو ان کا مشاہدہ علمی بھی کامل نہیں بلکہ ناقص ہے مشاہدہ علمی بھی اُس شخص کا کامل ہے جو عملاً بھی صاحب مشاہدہ ہو ورنہ وہ مشاہدہ علمی جو عمل سے خالی ہو محض ایک مشق کا درجہ ہے جو کافر کو بھی چند روز میں حاصل ہو سکتی ہے اس کا نام نسبت و مشاہدہ نہیں بلکہ

(۱) مشاہدہ مقصود ہے اور مجاہدہ وسیلہ (۲) صرف توجہ کا غلبہ ہونا مشاہدہ نہیں ہے (۳) مشاہدہ نام ہے عمل کے ساتھ توجہ کے غلبہ کا۔

نسبت اُس تعلق کا نام ہی جو محبت مع اللہ کی وجہ سے جذر قلب (۱) میں پیوستہ ہوجائے جس کے لیے عمل بالاحکام لازم ہے اور جو تعلق بدون عمل کے ہو وہ محبت سے خالی ہے اور جذر قلب میں پیوستہ نہیں بلکہ دل کے اوپر اوپر ہے جیسے متنبی کہتا ہے۔

عَذْلُ الْعَوَاذِلِ حَوْلَ قَلْبِ التَّائِهِ وَهَوىٰ الْاَحِبَّةِ مِنْهُ فِيْ سَوْدَائِهِ(۲)

بس ان اصحاب مشق کے تعلق کا وہ حال ہے جو متنبی کے نزدیک عذل العواذل کا حال ہے اور اہل تقویٰ کے تعلق کا یہ حال ہے کہ وہ سویدائے دل میں پہونچا ہوا ہے یہ ہیں اصحاب مشاہدہ اور یہ ہیں اصحاب نسبت جن کے عمل سے قلبی حالت کا ظہور ہوتا ہے ۱۲۔

ایمان کامل کی حقیقت

ابھی چند روز ہوئے میرے پاس ایک عالم کا خط آیا تھا کہ ایمان کامل کیا چیز ہے اور اُس کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ میں نے جواب میں لکھا کہ آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نفس ایمان کی حقیقت معلوم ہے تو پہلے آپ وہ لکھیں پھر میں ایمان کامل کی حقیقت بتلاؤں گا یہ سوال میں نے ٹالنے کے واسطے نہیں کیا تھا بلکہ تسہیل (۳) کے واسطے کیا تھا تاکہ مطلق ایمان کی حقیقت طے ہوجانے کے بعد ایمان کامل کی حقیقت کا معلوم ہونا سہل ہوجائے اور اگر نفس ایمان میں سائل نے کچھ غلطی کی ہو تو پہلے اس کو رفع کردیا جائے چنانچہ جواب آیا کہ نفس ایمان کی حقیقت تو یہی ہے اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَبِمَا جَآءَ بِهٖ رَسُوْلُهٗ (۴) اس کے بعد اس کا ترجمہ لکھ دیا میں نے جواب دیا کہ یہ تو ایمان کی تعریف نہ ہوئی کیونکہ اس میں بھی لفظ ایمان موجود ہے تو ایمان کی تعریف ایمان سے کرنا تعریف الشیء بنفسہ ہے جو جائز نہیں اس کے بعد جواب آیا کہ ایمان کہتے ہیں یقین کو میں نے لکھا کہ واقعی اب آپ نے ایمان کی تعریف صحیح لکھی۔ اس کے بعد ایمان کامل کا سمجھنا آپ کو سہل ہوگا اس کو میں ایک مثال سے واضح کرتا ہوں وہ یہ کہ ایک طبیب کے پاس دو مریض گئے اور دونوں کو اس کی نسبت یہ

(۱) دل کی گہرائی (۲) ''ملامت کرنے والوں کی ملامت اس کے دل متحیر کے گرداگرد ہے، اور اس کے اندرونِ دل میں محبوب کی محبت جاگزیں ہے'' (۳) آسانی (۴) ''ایمان لایا میں اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کچھ اس کے رسول لے کر آئے اس پر''۔

اعتقاد ہے کہ یہ شخص کامل طبیب ہے دونوں نے اپنی نبض دکھلائی اور طبیب نے دونوں کو نسخہ لکھ کر دیا مگر ایک شخص نے تو نسخہ پر عمل کیا اور اس کو استعمال کر کے صحتیاب ہو گیا اور دوسرے نے نسخہ پر عمل نہ کیا۔ پہلے کا یقین کامل ہے کیونکہ اُس نے یقین کے مقتضا پر عمل بھی کیا ہے اور دوسرے کا ناقص ہے۔ اور اس یقین کامل کے حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس کے مقتضا پر ہمت کر کے عمل کرے اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں اس میں اول اول تو تعب ہوگا(۱) پھر رفتہ رفتہ وہ حال راسخ ہو کر ملکہ بن جائیگا(۲) تو دشواری کچھ نہ رہے گی۔

مشاہدہ کاملہ کی حقیقت

اسی طرح مشاہدہ کو سمجھئے کہ مشاہدہ کاملہ وہ ہے جس کے مقتضا پر عمل ہو(۳) اور مشاہدہ بمعنی ملکۂ یادداشت محضہ میں(۴) کامل مشاہدہ نہیں کیونکہ درجۂ عمل میں وہاں غیبت موجود ہے مشاہدۂ کاملہ یہ ہے کہ علماً وعملاً استحضار رہے محض مشاہدۂ علمی مشاہدۂ کاملہ نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ عاصی(۵) سے طاعت کی نفی کی ہے اسی طرح ایمان کی بھی نفی کی ہے۔ لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الشَّارِبُ حِیْنَ یَشْرَبُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ (۶) علماء ظاہر تو چکرا گئے کہ جب وہ ایمان رکھتا ہے تو محض ایک عمل کے ترک پر اُس سے ایمان کی نفی کیسی؟

ترک عمل پر نفی ایمان کی وجہ

اس کا جواب کسی نے اولاً یہ دیا ہے کہ ایمان کامل کی نفی کی گئی ہے اور واقعی کمال اُسی مجیب کا ہے الفضل للمتقدم(۷) پھر ہم نے اسی میں کچھ اور باتیں بڑھا دیں جیسے اصولی امام فخر الاسلام ہی کی مثالیں ابتک بیان کرتے چلے آتے ہیں ہر موقعہ میں انہی کو اُلٹ پھیر سے بیان کر دیتے ہیں گو اس میں بھی میں نے ایک نکتہ بیان کر دیا ہے کہ جو مثال پہلے سے چلی آرہی ہے اُس کے سمجھنے میں سہولت ہے بہرحال مشہور جواب تو یہ ہے کہ ایمان کامل کی نفی کی گئی ہے مگر جس کو ایمان کامل کی حقیقت معلوم نہیں اس کی تسلی

(۱) مشقت ہوگی (۲) اس کی عادت پڑ جائیگی اور عمل آسان ہوگا (۳) جس کے تقاضے پر عمل ہو (۴) بغیر عمل صرف خدا کی یاد کا دل میں ہونا (۵) گناہگار (۷) فضیلت پہل کرنے والوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

اتنے سے نہیں ہوتی اور ایمان کامل کی حقیقت معلوم ہوجانے کے بعد اس جواب سے تسلی ہوجائے گی کیونکہ اب معلوم ہوگیا کہ ایمان اور یقین کے مختلف درجے ہیں جس درجہ کا ایمان اور یقین ہوتا ہے اُتنا ہی عمل میں اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے تو جب اس شخص کو حق تعالیٰ کی رویت ومعیت کا عمل میں استحضار نہیں ہوا تو اس درجہ میں اس کو ایمان حاصل نہیں ہے کیونکہ ایمان کی حقیقت یقین ہے اور یقین علم کی ایک فرد ہے۔

درجات علم

اور علم کے مختلف درجے ہیں ایک وہ علم ہے جس کا عمل میں اثر ظاہر ہو اور عمل کے وقت اُس کا استحضار ہو اور دوسرا علم وہ ہے جو محض اعتقادی کے درجے میں ہوا اور عمل میں اس کا اثر ظاہر نہ ہو (۱) پہلا علم کامل ہے دوسرا ناقص ہے ایک قصہ سے یہ بات واضح ہوجائیگی کہ علم کا اثر عمل میں کیونکر ہوتا ہے۔ مہتمم صاحب مدرسہ صولتیہ نے مجھے اپنے قسطنطنیہ جانے کا قصہ بیان کیا اس میں یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ جس وقت میں نے قصر میں قدم رکھا اور میں نے سنا تھا کہ سامنے جو بالا خانہ ہے سلطان کبھی کبھی بغرض تفریح وہاں آکر بیٹھ جاتے ہیں اور اس وقت یہاں کا آدمی بالکل ان کے سامنے ہوتا ہے راوی کہتے تھے کہ اس کے بعد میری یہ حالت ہوگئی کہ سر جھکائے چلا جارہا تھا۔ اِدھر اُدھر نگاہ بھی نہ اُٹھتی تھی حالانکہ وہاں چاروں طرف بہت خوشنما پھول پھلواری لگی تھی مگر اس خیال سے کہ شاید سلطان مجھے دیکھ رہے ہوں میری نگاہ کسی طرف نہ اُٹھتی تھی وہ تو قصہ بیان کررہے تھے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اے اللہ ایک ادنیٰ سلطان کے احتمال رویت (۲) کا تو یہ اثر ہے اور ہم لوگوں پر حق تعالیٰ کی یقینی رویت (۳) کا اس سے آدھا بھی اثر نہیں تو حضرت جب علم کامل ہوتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی رویت ومعیت کا استحضار پوری طرح ہوتا ہے اُس وقت ہرگز گناہ نہیں ہوسکتا اسی کی نفی ہے حدیث لاَ یَزْنِیْ الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ (۴)

(۱) اس کا اعتقاد تو ہے لیکن عمل اس کے مطابق نہیں (۲) دیکھ لینے کا یہ اثر ہے (۳) اللہ ہر وقت دیکھ رہے ہیں (۴) نہیں زنا کرتا کوئی زنا کرنے والا اس حال میں کہ وہ مومن (کامل) ہو۔

میں اور اس سے معلوم ہوگیا کہ معصیت (۱) کے وقت جیسا کہ عمل منتفی ہوتا ہے اور عملاً غیبت ہوتی ہے علماً بھی غیبت ہوتی ہے اگر علماً استحضار کامل ہوتا تو عملاً غیبت ہونا محال تھا۔ اور ملکہ یادداشت والوں کو اس وقت جو استحضار ہوتا ہے وہ محض تصور ہے غلبہ استحضار نہیں اگر غلبۂ استحضار ہوتا تو ان کی معیت ورویت کا بھی استحضار ہوتا اور اس وقت معصیت کا صدور دشوار ہوجاتا۔ غرض وہ بزرگ مجھ سے کہنے لگے کہ طریق میں اصل مجاہدہ ہے۔ مشاہدہ کو میں نے بڑھا دیا ہے اور جس طرح مشاہدہ کے معنی میں آجکل غلطی کی جاتی ہے۔ اسی طرح مجاہدہ کی حقیقت میں بھی آجکل غلطی کی جارہی ہے لوگ مجاہدہ کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ بیوی بچوں کو چھوڑ دے بس جہاں کوئی شاہ صاحب بنے وہ اس کے ساتھ ہی سیاہ صاحب بن گئے یعنی اُن کا دل سیاہ ہوجاتا ہے بیوی بچوں پر ظلم کرنے لگتے اور اُن سے الگ ہوجاتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں اپنے متعلق بھی اور اپنے مریدوں کے متعلق بھی کہ فلاں شخص جب سے ہم سے مرید ہوا ہے بیوی بچوں کو منہ نہیں لگاتا۔

بیوی سے محبت کرنا

چنانچہ نواب ڈھاکہ کو ایسے ہی پیروں نے ایک بیوی کی محبت سے منع کر رکھا تھا کہ یہ سبب بعد عن الحق (۳) ہوگا وہ بیچارے بڑے پریشان تھے جب میں گیا تو مجھ سے پوچھا کہ میں نے ایک نوعمر لڑکی سے شادی کی ہے جس سے میری طبیعت کو اُنس زیادہ ہے کیا یہ محبت مجھے مضر ہوگی (۴) میں نے کہا ہرگز نہیں بلکہ سبب قرب حق اور

(۱) یرد علیہ صدور المعاصی من بعض الصحابۃ فھل کانوا محرومین عن النسبۃ الصحیحۃ والمشاھدۃ الکاملۃ والا فکیف امکن صدورھا عنھم مع ذلک واجاب عنہ الشیخ عبدالرحیم الرائفوری رحمہ اللہ وصدورھا عنھم کان لقسر الاجراء احکام الحدود وتکمیل الشریعۃ من کل وجہ والا کان صدورھا عنھم متعذرا کیف ومن ھو اوف منھم حالاً لا یصدر عنہ مثل ما صدر عن بعضھم کالزنا وشرب الخمر ونحوھما واللہ اعلم ۱۲۔ قلت لا یخفی ما فی ھذا الجواب من البعد لان الصدور لو کان لقسر الکانوا معذورین ولما جری علیھم الحدود فالصواب ان یستلزم عدم غلبۃ الاستحضار علیھم حینئذ ولا یشکل تفضیل غیر الصحابۃ علی الصحابۃ لان فضل الصحابی لصحبتہ لا لھذہ الاحوال ۱۲ اشرف (۲) حق سے دوری کا سبب (۴) نقصان دہ۔

موجب ثواب ہوگی کہنے لگے کہ مجھے تو لوگوں نے ڈرا رکھا ہے کہ یہ سبب بعد ہوگی میں نے کہا سبحان اللہ سبب بعد تو وہ محبت ہے جو رضائے حق کے خلاف ہو اور بیوی کے ساتھ محبت کرنے کا تو امر ہے(۱) یہ سبب بعد کیوں ہونے لگی بشرطیکہ اس محبت کی وجہ سے حقوق الٰہیہ میں کوتاہی نہ ہو اور اگر بیوی سے محبت کرنا مطلقاً سبب بعد ہے تو پھر تو معاذ اللہ حضور ﷺ تک بات پہنچے گی کیونکہ حضرت عائشہؓ سے حضور ﷺ کو ایسی محبت تھی کہ اس کو درجۂ عشق کہہ سکتے ہیں اور اگر اُس وقت لفظ عشق کا استعمال معتاد ہوتا تو صحابہ اُس کو عشق ہی سے تعبیر فرماتے ۔ ایک دفعہ میں میرٹھ گیا چھوٹے گھر میں(۲) کا وہاں علاج کرانا تھا اس وقت بعض مستورات نے بیعت کی درخواست کی بعض عورتوں نے ان کو بہکایا کہ ان سے بیعت نہ ہو یہ تو اپنی بیوی کو ساتھ ساتھ لئے پھرتے ہیں تم ہمارے پیر سے بیعت ہونا انہوں نے پچاس سال سے اپنی بیوی سے بات تک نہیں کی (گویا وہ ان کے زعم میں بڑے مجاہد اور تارک تھے ۱۲) وہ مسماۃ بہت سمجھدار تھیں اس کو سمجھیں کہ وہ تو پچاس سال سے خدا کا نافرمان ہے وہ ہرگز پیر بنانے کے قابل نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے تو جو شخص پچاس سال سے بیوی بچوں کو چھوڑے ہوئے ہے وہ تو نہایت ظالم ہے کہ پچاس سال سے حقوق العباد ضائع کر رہا ہے میں تو ہرگز اُس سے بیعت نہ ہونگی غرض وہ مسماۃ مجھ سے بیعت ہوگئیں اور ان کے اس جواب سے میں بہت خوش ہوا کہ الحمدللہ اُس کو دین کا فہم حاصل ہے۔

حقیقت مجاہدہ

صاحبو! مجاہدہ کی حقیقت یہ ہے کہ معاصی کو تو مطلقاً ترک کرے اور یہ نفس کی مخالفت واجب ہے اور مباحات میں تقلیلاً (۳) مخالفت کرے اور یہ مخالفت مستحب ہے مگر ایسا مستحب ہے کہ مخالفت واجبہ کا حصول کامل اس مخالفت مستحبہ پر موقوف ہے جیسے بہت سونا، بہت کھانا، بہت عمدہ کپڑے پہننا، بہت باتیں کرنا، لوگوں سے زیادہ ملنا ملانا سو ان میں تقلیل کرے (۴) مگر تقلیل ہر اک کی اس کے حالت کے موافق ہے یہ نہیں کہ تم چھ

(۲) حکم ہے (۲) چھوٹی اہلیہ (۳) مباح کاموں میں کمی کرے (۴) کمی کرے۔

گھنٹے سوتے ہو اور دوسرا سات گھنٹے سوتا ہے تو تم یہ کہنے لگو کہ ہم مجاہد ہیں اور وہ نہیں ممکن ہے کہ اس کی نیند دس گھنٹے روزانہ کی ہو اور تمہاری آٹھ گھنٹہ کی تھی تم نے آٹھ میں سے دو گھنٹہ کم کئے اور اُس نے دس میں سے تین گھنٹے کم کیے تو اب بتلاؤ زیادہ مجاہد کون ہوا۔

ایک بزرگ کا قصہ ہے ان کا ایک مرید بہت کھاتا تھا ساری خانقاہ میں غل پڑ گیا(۱) کہ یہ تو حبشی ہے چار آدمیوں کے برابر کھاتا ہے آخر نقیب نے شیخ سے کہا کہ حضرت فلاں شخص کو نصیحت کر دیجئے کہ اپنی خوراک کم کرے وہ تو بہت ہی کھاتا ہے شیخ نے اس کو بلایا اور کہا بھائی اہل سلوک کو زیادہ نہ کھانا چاہئے اوسط مقدار(۲) اختیار کرنا چاہئے مرید میں شیخ کی صحبت سے فہم صحیح پیدا ہو گیا تھا وہ سمجھ گیا کہ شیخ کی مراد یہ ہے کہ ہر شخص اپنی خوراک کے اعتبار سے اوسط کو اختیار کرے مگر چونکہ شیخ کو میری اصلی خوراک معلوم نہیں اس لیے موجودہ حالت کو اوسط سے زیادہ سمجھ رہے ہیں تو شیخ کو اصل حال سے مطلع کرنا چاہئے کہنے لگا کہ حضرت ہر اک کا اوسط الگ ہے۔ حضرت میری اصلی خوراک پچاس روٹیوں کی ہے آپ کی بیعت سے پہلے میں اتنا ہی کھاتا تھا اب جب سے خانقاہ میں آیا ہوں پندرہ روٹیاں کھاتا ہوں تو فرمائیے یہ اوسط ہے یا اوسط سے بھی کم اور دوسرے لوگ جو چار پانچ روٹیاں کھاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی خوراک بہت سے بہت سات آٹھ روٹیوں کی ہے ان کے حساب سے تو میں بہت ہی زیادہ مجاہدہ کرتا ہوں کہ پچاس کے بجائے پندرہ کھاتا ہوں جو اصلی خوراک کا ثلث ہے(۳) بلکہ ثلث سے بھی کم دوسرے تو اپنی خوراک کے نصف سے بھی زیادہ کھانے والے ہیں اس کو سن کر شیخ نے کہا ہاں بھائی ہماری غلطی تھی بس تم اس سے کم مت کرنا تمہارے لیے یہی بڑا مجاہدہ ہے جس شخص کو یہ پورا واقعہ اس تفصیل سے معلوم نہ ہو صرف اتنا معلوم ہو کہ فلاں شیخ نے اپنے ایک مرید کو پندرہ روٹیاں کھانے کی اجازت دی وہ تو ظاہر میں شیخ پر اعتراض کریگا کہ اس نے اکل فوق الشبع(۴) کی اجازت دی مگر جس کو حقیقت معلوم ہوگی وہ کبھی اعتراض نہ کرے گا مشائخ پر اکثر اعتراضات حقیقت معلوم نہ ہونے ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

(۱) شور مچ گیا (۲) درمیانی مقدار (۳) تہائی بلکہ اس سے بھی کم (۴) پیٹ بھر کر کھانے سے زیادہ کی اجازت دی۔

چور چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہیں

چنانچہ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ اُن سے ایک چور بیعت ہوا اور چوری سے تائب ہوکر خانقاہ میں رہنے لگا دو چار دن تو اُس نے صبر کیا پھر یہ حرکت شروع کی کہ خانقاہ والوں کی جوتیاں گڑ بڑ کر دیتا کسی کا جوتا یہاں سے وہاں رکھ دیا کسی کا وہاں سے یہاں اب جو صبح کو ذاکرین اُٹھتے ہیں تو کسی کو اپنا جوتا موقع پر نہیں ملتا بڑے پریشان ہوئے کہ یہ کس کی حرکت ہے اور کون اس طرح سب کو پریشان کرتا ہے آخر پہرہ دیا گیا اور ایک رات کو یہ حضرت پکڑے گئے صبح کو شیخ کے سامنے لائے گئے کہ حضرت آپ کے اس نئے مرید نے ساری خانقاہ کو پریشان کر رکھا ہے کسی کا جوتا صبح کو موقع پر نہیں ملتا اِدھر اُدھر پڑا ہوا ملتا ہے ہم نے پہرہ دیا تو معلوم ہوا کہ یہ حرکت ان حضرت کی ہے شیخ نے پوچھا کہ بھائی تم لوگوں کو اس طرح کیوں پریشان کرتے ہو تم نے تو چوری سے توبہ کر لی تھی کہنے لگا سنئے حضرت میں نے چوری سے توبہ کی ہے ہیرا پھیری سے نہیں کی۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ میں جب سے آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوا ہوں اُسی دن سے چوری سے تائب ہو چکا ہوں مگر میری حالت یہ ہے کہ جب رات کو وہ وقت آتا ہے جس میں چوری کے لیے میں گشت کیا کرتا تھا تو اس وقت میری طبیعت پر چوری کا سخت تقاضا ہوتا ہے نفس کہتا ہے کہ چل کر چوری کر میں اس کو دو تین روز تو ڈراتا دھمکاتا رہا اور تقاضے کو دباتا رہا مگر جب بہت غلبہ ہوا تو میں نے نفس سے اس پر صلح کر لی ہے کہ تو خانقاہ والوں کی جوتیاں یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں رکھ دیا کر یہ بھی ایک قسم کی چوری ہے کیونکہ بلا اذن مالک تصرف ہے(۱) اس عمل سے میرا وہ تقاضا فرو ہوجاتا ہے(۲) اب اگر آپ اس کو گوارا فرمائیں فبہا ورنہ میں آج سے یہ حرکت چھوڑ دوں گا مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی اطلاع کرتا ہوں کہ پھر میں سچ مچ چوری میں مبتلا ہوجاؤں گا کیونکہ جب تقاضا پیدا ہوگا اور اُس کی تسکین کی کوئی صورت ہوگی نہیں تو ممکن ہے کہ میں تقاضے سے مجبور ہوکر چوری کرنے لگوں۔ اب آپ کو اختیار ہے جس شق کو چاہیں اختیار فرمائیں شیخ نے فرمایا! بھائی

(۱) مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف کرنا ہے جو مثل چوری کے ہے (۲) تقاضا ختم ہوجاتا ہے

تجھ کو ہیرا پھیری کی اجازت ہے اور خانقاہ والوں سے کہا کہ تم اس کو معذور سمجھ کر معاف کرو اُس نے معصیت کبیرہ سے ایک صغیرہ پر نفس سے صلح کی ہے اس کو صغیرہ سے روکنا کبیرہ میں مبتلا کرنا ہے۔ اب اس واقعہ کو ناتمام سن کر جہلاء تو اعتراض کرنے لگیں گے کہ شیخ نے ایذا مسلم کی اجازت دی مگر یہ خبر نہیں کہ اُس نے کبیرہ سے بچا کر صغیرہ کو اُس کا وقایہ بنایا(۱)۔ اور اس صغیرہ کی اجازت اس لیے نہ تھی کہ اس کو گناہ میں مبتلا رکھیں بلکہ اس لیے تھی کہ سرقہ (۲) کا تقاضا مٹا دیا جائے اور اس کے بعد رفتہ رفتہ یہ صغیرہ بھی مٹ جائیگا۔

أَلْقُوْا مَآ أَنتُم مُّلْقُوْنَ کی حکمت

اور یہی راز ہوسکتا ہے موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کا کہ اُنہوں نے ساحران فرعون سے فرمایا تھا اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ(۳) بظاہر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ ساحران فرعون کا سحر تو کفر یا معصیت تھا موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس سحر کی اجازت کیوں دی جواب یہ ہے کہ یہ اجازت ابقاء کفر کے لیے نہ تھی بلکہ اس سے احقاق حق اور ابطال باطل مقصود تھا کیونکہ جب وہ لوگ اولاً اپنا سحر ظاہر کریں گے اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا سب کو فنا کر دیگا تو اس طرح اظہار حق کامل طور سے ہوگا۔ اس مصلحت اظہار حق کے لیے انہوں نے فرمایا تھا أَلْقُوْا مَآ أَنتُم مُّلْقُوْنَ وَعِنْدِیْ جَوَابٌ اٰخَرَ وَھُوَاَنَّ الْاَعْرَضُنَاکَ لِلتَّعْجِزِ اَیْ اَلْقُوْ مَا اَنْتُمْ مُلْقُوْنَ فَاِنِّیْ لَا اُعْبَأُبِہٖ فَافْعَلُوْا مَا شِئْتُمْ کَمَا فِی قَوْلِہٖ تَعَالٰی فَمَنْ شَاءَ فَلْیَکْفُرْ ۱۳) تو یہ اجازتِ القاء سحر کو مٹانے کے لیے تھی کیونکہ اس کے مٹانے کا طریقہ اس سے بہتر کوئی نہ تھا کہ اول وہ اپنی کوشش کو ظاہر کریں بعد میں موسیٰ علیہ السلام کا عصا نہایت سہولت سے دفعۃً سب کو مٹا دے گا یہ آیت صوفیہ کے اُس طرز عمل کی دلیل ہے جس سے بعض اہل ظاہر متوحش ہوتے ہیں کہ انہوں نے منکر شرعی کی اجازت دی حالانکہ وہ منکر کی اجازت نہیں دیتے بلکہ اس کو جڑ سے مٹانا چاہتے ہیں جس کا طریقہ اُس سے بہتر کوئی نہ تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔

(۱) سورۂ یونس: ۸۰ (۲) گناہ کبیرہ سے بچنے کا ذریعہ (۳) چوری۔

مختلف احوال

یہ گفتگو مجاہدہ پر چلتی تھی کہ لوگ اس کے معنی سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں غرض اپنے حال پر دوسروں کو قیاس نہ کرو کہ تم چار روٹی کھاتے ہو دوسرا دس کھاتا ہے تو اس کو غیر مجاہد سمجھ لو یا تم ایک وقت کھاتے ہو دوسرے دو وقت کھاتا ہے تو اس کو غیر مجاہد کہنے لگو ممکن ہے کہ اس کی عادت چار وقت کھانے کی ہو اس کے لیے دو وقت پر اکتفا کرنا ہی مجاہدہ ہے اسی طرح اگر ایک بزرگ ہنستے ہوں دوسرے بالکل نہ ہنستے ہوں تو اس سے یہ مت سمجھو کہ ہنسنے والا مجاہد نہیں ہے ممکن ہے کہ اس کے دل پر دوسرے سے زیادہ آرے چلتے ہوں مگر کسی مصلحت سے ضبط کر کے ہنستا ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت حدیث میں آتا ہے کان کثیر التبسم کہ آپ ہنس مکھ تھے اکثر باتوں میں تبسم فرمایا کرتے تھے مگر اس سے کوئی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ آپ بے فکر تھے نعوذ باللہ آپ کی حالت یہ تھی کہ حدیث میں یہ بھی آتا ہے کَانَ دَائِمُ الْفِکْرَۃ متواصل الْاَحْزَانِ کہ آپ ہمیشہ فکر مند اور غمگین رہا کرتے تھے اور حدیث میں آتا ہے کہ جب آپ نماز پڑھتے تھے تو رویا کرتے تھے ولصدرہ ازیز کازیز المرجل اور آپ کے سینے میں سے ایسی آواز نکلتی تھی جیسے ہانڈی میں سے پکتے ہوئے آواز نکلتی ہے اور ایک حدیث میں آپ فرماتے ہیں وَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ ثَمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستہ میں قتل ہوں پھر زندہ ہوں پھر قتل ہوں پھر زندہ ہوں پھر قتل کیا جاؤں۔ اس سے سمجھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا حالت گزرتی تھی وہ کیسا اشتیاق اور غلبۂ حب تھا جس کی وجہ سے آپ یوں بار بار قتل فی سبیل اللہ کی تمنا فرما رہے ہیں مگر پھر آپ کا گاہے تبسم فرمانا مصلحت کی وجہ سے تھا کہ آپ اپنی حالت کو ضبط کر کے تبسم فرماتے تھے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا حال

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کی مجلس میں کسی نے کوئی شعر پڑھ دیا سب لوگ مست و مضطرب ہو گئے مگر حضرت جنید کو جنبش بھی نہ ہوئی کسی نے پوچھا حضرت کیا بات ہے کہ آپ پر سماع کا اثر نہ ہوا فرمایا وَتَرَی الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِیَ تَمُرُّ مَرَّ

اَلسَّحَابِ (۱) قیامت میں نفخ صور کے وقت تم پہاڑوں کو دیکھ کر یہ سمجھو گے کہ وہ (ایک جگہ) جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے اور فرمایا میرے بدن کو انگلی لگاؤ انگلی لگانے کے ساتھ ہی خون کا فوارہ جوش زن ہوا۔ اسی طرح سماع میں کاملین بہت دور پہنچ جاتے ہیں مگر ظاہر میں حرکت نہ ہونے سے ناقص یہ سمجھتا ہے کہ ان پر اثر نہیں ہوا حالانکہ اُن کو ضبط کامل کی وجہ سے حرکت نہیں ہوتی۔

شیخ عبدالحق ردولوی کا حال

حضرت شیخ عبدالحق ردولوی ہمارے مشائخ میں بڑے صاحب کمال تھے مگر اسی کے ساتھ ضابط بھی بہت تھے غلبۂ حال کی تو یہ کیفیت تھی کہ جامع مسجد میں چالیس سال تک پنجوقتہ نماز جماعت سے پڑھی مگر راستہ کبھی یاد نہیں ہوا حضرت کے خادم بختیار آگے آگے حق حق پکارتے تھے ان کی آواز پر شیخ چلتے تھے اور اس طرح جامع مسجد تک پہنچتے تھے ایک دفعہ حال کا غلبہ ہوا تو اُسی مغلوبیت میں کسی طرف کو چل کھڑے ہوئے اور وطن سے بہت دور ایک دریا کے کنارہ پر جا کر بیٹھ گئے تین دن کے بعد افاقہ ہوا تو بختیار سے دریافت فرمایا کہ آہا یہاں ندی کب سے ہوگئی انہوں نے عرض کیا حضرت آپ وطن میں نہیں ہیں۔ فرمایا لو تو گھر چلو گھر والے پریشان ہوں گے یہ تو غلبۂ حال کی کیفیت تھی اور ضبط کی یہ حالت تھی کہ کبھی زبان سے شطحیات کا ایک کلمہ بھی نہ نکلا فرمایا کرتے تھے منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد مگر وہ قطرہ بھی غضب (۲) کا تھا جیسا کسی نے کہا ہے

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم (۳)

آگے فرماتے ہیں کہ اینجا مردانند کہ دریاہا فرو بردہ اند و آروغ نہ زنند (۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کیا پوچھنا آپ نے تو دریا پیئے ہیں پھر

(۱) سورۃ النمل: ۸۸ (۲) منصور میدان تصوف کا بچہ تھا کہ محبت الٰہی کا ایک قطرہ پی کر بے قرار ہوگیا وہ ایک قطرہ بھی عظیم تر تھا (۳) یا اللہ آپ کے ارشاد الست بربکم کے دریائے محبت کا عجب حال ہے کہ میں نے اس میں سے صرف ایک قطرہ پیا اور دریا بہادیا (۴) یہاں ایسے مردان حق بھی ہیں جو محبت کے دریا کے دریا پی گئے اور ڈکار تک نہ لی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر یہ فرمائیں وَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ ثُمَّ اُحْیٰ تو کیا بعید ہے آپ پر تو نہ معلوم کیا کیا حالتیں گزرتی ہوں گی اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تمنا فرمار ہے ہیں اور شیخ احمد جام یہ فرماتے ہیں۔

کشتگان خنجرِ تسلیم را ہر زبان از غیب جانے دیگر یست(۱)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ حالت حاصل ہے کبھی کشتہ ہوتے ہیں کبھی زندہ۔ جواب یہ ہے کہ جو بات ان کو حاصل ہے وہ قتل باطنی ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ حاصل ہے اور جس امر کی آپ تمنا فرمارہے ہیں وہ قتل ظاہری ہے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم ضحک پر تعجب نہیں بلکہ آپ کے تبسم پر تعجب ہے کہ آپ کو ان حالات و کیفیات کے ساتھ تبسم بھی کیسے ہوتا تھا ایک حدیث میں آپ کا خود ارشاد ہے لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ تَضَحِکْتُمْ قَلِیْلاً وَّ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا اگر تم کو وہ بات معلوم ہوجائے جو مجھ کو معلوم ہے تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔

حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا حال

مگر آپ کے تبسم کا راز وہ تھا جو حضرت عیسیٰ و یحیٰ علیہما السلام کے مناظرہ میں حضرت حق جل عزہ کے محاکمہ سے ظاہر ہوا حضرت یحییٰ علیہ السلام پر خشیت کا بہت غلبہ تھا اور زیادہ وقت رونے میں گزرتا تھا یہاں تک کہ روتے روتے رخساروں کا گوشت گل کر گر پڑا تھا کیونکہ آنسوؤں میں ایک قسم کا تیزاب ہے اس لیے آپ کی والدہ روئی کے پھائے رخساروں پر چپکا دیا کرتیں تا کہ بدنما نہ معلوم ہوں حضرت زکریا علیہ السلام جب عذاب نار کا ذکر فرماتے تو پہلے یہ دریافت کر لیتے تھے کہ اس مجلس میں یحییٰ علیہ السلام تو نہیں ہیں جس مجلس میں وہ ہوتے اس میں عذاب کا ذکر نہ فرماتے تھے تو ایک مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا اے یحییٰ تم تو اتنا روتے ہو گویا تم کو خدا تعالیٰ سے رحمت کی اُمید ہی نہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا اے عیسیٰ تم اتنا ہنستے ہو گویا تم کو قہر الٰہی کا اندیشہ ہی نہیں دونوں نے ایک دوسرے کو جواب دیدیا اب حضرت حق کی

(۱) تسلیم ورضاء کے خنجر کے مارے ہوؤں کو ہر زمانے میں غیب سے نئی جان ودیعت ہوتی ہے۔

طرف سے فیصلہ صادر ہوا وحی نازل ہوئی کہ اے یحییٰ خلوت میں تو تم ایسے ہی رہو جیسے اب ہو اور مخلوق کے سامنے ویسے رہو جیسے عیسیٰ علیہ السلام ہیں یعنی ہنستے اور تبسم کرتے رہا کرو بندوں کے سامنے زیادہ نہ رویا کرو کہیں ہمارے بندوں کا دل نہ ٹوٹ جائے اور مایوس نہ ہو جائیں اللہ اللہ حق تعالیٰ کو اپنے بندوں کی کس قدر رعایت ہے کہ ان کا دل نہ ٹوٹے اور عیسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ اے عیسیٰؑ ہمارے بندوں کے سامنے تو تم ویسے ہی رہو جیسے اب تک ہو اور خلوت میں ویسے رہو جیسے یحییٰ علیہ السلام ہیں یعنی خلوت میں ہمارے عذاب کو یاد کر کے رویا کرو عجیب فیصلہ ہے جس میں ہر ایک کو اس کی حالت سے کچھ کچھ ہٹایا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ

ویسا ہی فیصلہ ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان فرمایا تھا ایک بار رات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں حضرات کے مکان کے پاس سے تشریف لے گئے حضرت عمرؓ کو تو دیکھا کہ خوب بلند آواز سے نماز میں قرأت کر رہے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا کہ بالکل آہستہ پڑھ رہے ہیں صبح کو ہر اک سے سوال فرمایا کہ اے ابوبکرؓ تم اتنا آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے کہا کنت اسمع اناجی یا سول اللہ جس سے میں مناجات کر رہا تھا اس کو سنا رہا تھا اور حق تعالیٰ تو آہستہ کو بھی سنتے ہیں حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ تم چلا کر کیوں پڑھ رہے تھے کہا کُنْتُ اَطْرُدُ الشَّیْطَانَ وَاُوْقِظُ الْوَسْنَانَ کہ میں شیطان کو بھگاتا اور اونگھنے والوں کو جگاتا تھا تاکہ وہ بھی اُٹھ کر خدا تعالیٰ کو یاد کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا یَا اَبَابَکْرٍ اِرْفَعْ قَلِیْلاً وَیَا عُمَرُ اِخْفِضْ قَلِیْلاً اے ابوبکرؓ تم کسی قدر اپنی آواز کو بڑھا دو اور اے عمرؓ تم کسی قدر آواز کو پست کر دو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک کو ان کی طبیعت سے نکال کر دوسرے مرکز پر ڈالا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فیصلہ کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا (۱) یہ تو صحابہ کا اختلاف تھا جس کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیونکہ صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑھے ہوئے ہیں اور وہ نبیوں کا

(۱) سورۃ الاسراء: ۱۱۰

اختلاف تھا جس کا فیصلہ حق تعالیٰ نے فرمایا کیونکہ نبیوں سے بجز خدا تعالیٰ کون بڑھا ہوا ہے۔

مقولے کی اصلاح

اسی واسطے ہمارے ماموں صاحب فرماتے تھے کہ یہ جو مشہور ہے ''ولی را ولی می شناسد''(۱)۔ یہ صحیح نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے۔ ''ولی را نبی می شناسد۔ و نبی را خدا می شناسد''(۲)۔ کیونکہ ولی کو دوسرا ولی بعض دفعہ نہیں پہچان سکتا۔ ہاں نبی البتہ پہچانتا ہے کہ کیونکہ اُس کا مقام مقام ولی سے اعلیٰ ہے اور نبی کو گو نبی بھی پہچان سکتا ہے لیکن چونکہ انبیاء نبوت میں سب برابر ہیں اس لیے فیصلہ اُن کا حق تعالیٰ ہی فرما سکتے ہیں۔ تو اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبسم میں حکمت وہ تھی جس کی بنا پر یحییٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ہمارے بندوں کے سامنے ہنستے ہوئے رہا کرو۔ تاکہ مخلوق دل شکستہ نہ ہو کہ جب یہ نبی ہو کر اتنے خائف ہیں تو بس ہمارا تو کیا ہی حال ہوگا ورنہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کمالات میں سب انبیاء سے زیادہ ہیں تو کیا آپ کو یحییٰ علیہ السلام کی برابر خوف وخشیت نہ تھا یقیناً تھا بلکہ زیادہ مگر آپ حکمت کی وجہ سے ضبط کر کے تبسم فرماتے تھے اور اسی لیے کبھی کبھی مزاح بھی فرماتے تھے اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کیا آپ اپنی طبیعت سے کچھ کام نہ کرتے تھے۔

سوال وجواب

یہ سوال اسی وقت ذہن میں آیا اس سے پہلے کبھی اس طرف التفات نہیں ہوا اور اس کا جواب بھی ۶۵ برس کی عمر میں آج ہی عطا ہوا۔ جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب طبیعت بھی تھے مگر اتباع حکمت بھی آپ کی طبیعت بن گئی تھی اپنی طبعیات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبعیات پر قیاس نہ کرو ہماری طبعیات طبعی محض ہیں اور آپ کی طبعیات حکمت کے موافق ہیں اب جو کام طبیعت سے بھی صادر ہوتا تھا حکمت کے موافق ہوتا تھا الحمد للہ ۶۵ سال کے بعد آج یہ علم عظیم عطا ہوا اشکال کا منشا یہ ہے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت کو اپنی طبیعت پر قیاس کیا کہ جس طرح بعض دفعہ ہم تقاضائے طبیعت سے

(۱) ولی کو ولی پہچانتا ہے (۲) ولی کو نبی پہچانتا ہے اور نبی کو خدا پہچانتا ہے۔

ہنستے اور مزاح کرتے ہیں جس میں کوئی حکمت نہیں ہوتی یوں ہی حضور بھی تقاضائے طبیعت سے ایسا کرتے ہوں گے۔ اور جب تقاضائے طبیعت سے ایسا کرتے تھے پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا کہ آپ کے تبسم میں یہ حکمت تھی اور مزاح میں یہ حکمت تھی۔ کیونکہ حکمتیں افعال اختیاریہ میں ہوتی ہیں نہ کہ اضطراریہ میں۔ اور اگر آپ ہمیشہ ہر کام حکمت واختیار سے کرتے تھے تو پھر یہ اشکال ہے کہ کیا طبیعت سے کچھ بھی نہ کرتے تھے اور یہ بظاہر دشوار ہے بحمد اللہ میرے جواب سے اشکال حل ہوگیا کہ آپ طبیعت سے بھی بعض کام کرتے تھے مگر وہ طبیعت بالکل حکمت کے موافق تھی اور خود اتباع حکمت آپ کی فطرت وطبیعت بن گئی تھی (کَمَا قَالَتْ عَائِشَةُ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ اَیْ اِتِّبَاعَهُ وَهُوَالْحِکْمَةِ ۱۲)(۱) خوب سمجھ لو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کو اپنی طبیعت پر قیاس نہ کرو۔ مولانا اسی قیاس کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد کم کسے زا ابدال حق آگاہ شد(۲)
گفت اینک مابشہ یشمن بشر ماؤ ایشاں بستۂ خواہیم وخور(۳)

یعنی کفار اسی سبب سے تو گمراہ ہوئے کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے اوپر قیاس کیا اور یہ سمجھا کہ یہ بھی ہمارے ہی جیسے آدمی ہیں پھر فرماتے ہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر(۴)

طوطی کی حکایت

اس کے بعد مولانا نے ایک سوداگر کی طوطی کی حکایت لکھی ہے کہ وہ بہت بولتی اور باتیں کرتی تھی جس کی وجہ سے دُکان بہت بارونق تھی ایک دن سوداگر کسی کام کو گیا اور طوطی پنجرہ سے باہر بیٹھی تھی ایک بلی نے اس پر حملہ کیا وہ خوف زدہ ہوکر ایک سمت

(۱) جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا آپ کے اخلاق قرآن ہیں یعنی قرآن کا اتباع کرنا اور اسی کا نام حکمت ہے (۲) عالم میں اکثر لوگ اسی بنا پر گمراہ ہیں کہ بہت کم لوگ حق ابدال سے آگاہی رکھتے ہیں (۳) کہتے ہیں ہم بھی انسان وہ بھی انسان پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق (۴) نیک لوگوں کے کام کو اپنے پر قیاس نہ کرو کیونکہ شیر اور شیر اگرچہ لکھنے میں ایک سے ہیں لیکن دونوں میں بہت فرق ہے شیر کو تم کھاتے ہو اور شیر تجھکو کھا جائے گا۔

کواُڑی اُس سے روغن بادام کی ایک شیشی گر کر سب روغن ضائع ہوگیا سوداگر جو واپس آیا اور روغن بادام کی شیشی کو گرا ہوا پایا تو طوطی پر اُسے بہت غصہ آیا اور اسے بہت مارا یہاں تک کہ گنجا کر دیا اب طوطی نے بولنا موقوف کر دیا دوسرے وقت آقا نے اس سے باتیں کیں اس نے جواب ہی نہ دیا جب کئی دن اسی طرح ہوگئے تو وہ اپنی حرکت پر بہت نادم ہوا اور اپنے کو کوسنے لگا کہ میرے یہ ہاتھ کیوں نہ ٹوٹ گئے جن سے میں نے اس کو مارا تھا میری دکان کی رونق ہی جاتی رہی جب کسی طرح طوطی نہ بولی تو اُس نے درویشوں بزرگوں سے دُعا کرانا شروع کی مگر وہ جب بھی نہ بولی اتفاق سے ایک دن اُس کی دکان کے سامنے ایک گنجا گذرا تو طوطی نے اس کو پکارا اور کہا۔

ازچہ اے کل باکلاں آمیختی تو مگر از شیشہ روغن ریختی(۱)

از قیاسش خندہ آمد خلقورا کو چو خود پنداشت صاحب دلق را(۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت

یہی حال ہمارے قیاس کا ہے کہ ہم اپنی طبعیات پر انبیاءؑ کے طبعیات کو قیاس کرتے ہیں بھلا جس کے سامنے اسقدر مہالک وخطرات ہوں کہ دوزخ کو بھی دیکھا ہو برزخ کو بھی دیکھا ہو ملکوت سمٰوات وارض کا مشاہدہ کیا ہو اس کو ہماری طرح بیساختہ تبسم کیونکر ہوسکتا ہے اور سب سے زیادہ تو مشاہدہ ذات تھا جس کو ذات سے بلاواسطہ خشیت ہو اور عظمت وجلال ذات کا مشاہدہ ہو چکا ہو وہ تو سب سے زیادہ صاحب خشیت ہوگا اور اس کی جان پر نہ معلوم کتنی مرتبہ قتل وحیات کا توارد ہوتا ہوگا تو یہ نہ کہا جائے کہ احمد جام تو ہر زمان از غیب جان دیگرست کہتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تمنا فرمارہے ہیں ارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو ایسی ایسی ہزار شہادتیں حاصل تھیں اور وہاں تو یہ حال تھا۔

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد انچہ در وہمت نیاید آں وہذا(۳)

(۱) ''ارے گنجے تو گنجوں میں کیونکر آملا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے بھی شیشی میں سے تیل گرایا ہوگا'' (۲) طوطی کے اس قیاس پر سب لوگوں کو ہنسی آگئی کہ اس نے گنجے فقیر کو بھی اپنے ہی اوپر قیاس کیا (۳) ''ایک جان لیتے ہیں تو ہزار جانیں عطا فرماتے ہیں ہماری ہمت سے زائد عطا فرماتے ہیں''۔

احمد جام کو تو ایک ہی جان ملتی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو ہر ساعت میں صد جان بلکہ ہزار جان عطا ہوتی تھیں اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شہادت معنویہ کی طلب نہیں کی بلکہ ہزار جان عطا ہوتی تھیں اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شہادت معنویہ کی طلب نہیں کی بلکہ شہادت حسیہ کی طلب فرمائی ہے۔

اعمال ظاہر کی ضرورت

اور اس سے معلوم ہوا کہ ظاہر بھی بیکار نہیں ورنہ شہادت معنویہ کے ہوتے ہوئے حضور کو ظاہری شہادت کی طلب کیوں تھی بعض لوگوں نے ظاہر کے تعطل پر مولانا رومی کے اس شعر کو سند بنالیا ہے۔

پنجوقت آمد نماز اے رہنموں عاشقان ہم فی صلوٰۃ دائموں

کہ نماز کے پانچ وقت عام طور سے مقرر ہیں مگر عشاق ہر دم نماز میں ہیں۔

اس سے انہوں نے یہ مطلب نکالا ہے کہ جو نماز عشاق کی ہر دم ہے وہ یہ نماز بہ ہیئت مخصوصہ (۱) تو ہے نہیں کیونکہ یہ ہر دم نہیں ہوسکتی معلوم ہوا کہ عشاق کی نماز دوسری ہے یعنی حضور القلب مع اللہ (۲) پس اس کے ہوتے ہوئے نماز ظاہری کی کیا ضرورت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مولانا کے کلام سے یہ مضمون کیونکر نکلا کہ اس کے ہوتے ہوئے نماز ظاہری کی ضرورت نہیں بلکہ پہلا مصرع تو نماز پنجوقتہ کی ضرورت پر دال ہے کیونکہ فرماتے ہیں۔ پنج وقت آمد نماز اے رہنموں یعنی نماز پانچ وقت کی تو وارد اور ثابت ہے ہی اب اگلے مصرع کا مطلب یہ ہے کہ عشاق ان پانچ وقتوں ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں بعض صوفیہ کی یہ غلطی ہے کہ وہ طاعات معنویہ کے ساتھ حسیہ کو بیکار سمجھتے ہیں اور طلبہ کی یہ غلطی ہے کہ وہ حسیہ کے سامنے معنویہ کو بیکار کہتے ہیں اور باطن ہوتے ہوئے ظاہر کی ضرورت کا راز یہ ہے کہ محض روح ترقی قرب مقصود کے لیے کافی نہیں ورنہ ہم عالم ارواح ہی میں رہتے دنیا میں کیوں آتے۔ کیا نعوذ باللہ حق تعالیٰ تمہارے بدخواہ ہیں جو خواہ مخواہ راحت سے نکال کر تم کو کلفت میں بھیجا، نہیں بلکہ اس میں راز یہی ہے کہ

(۱) جس میں قیام رکوع سجدہ قاعدہ ہو (۲) اللہ کے سامنے ہر وقت دل لگا رہنا۔

جو درجہ قرب کا مقصود تھا وہ اعمال خاصّہ صلوٰۃ وصوم وغیرہ پر موقوف تھا اس لیے عالم ارواح میں رہ کر تم کو حاصل نہ ہوسکتا تھا۔ پس جس طرح روح کی ترقی کے لیے جسم کی ضرورت ہے اسی طرح اعمال میں بھی ایک روح ہے ایک قالب ہے(۱) اور دونوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہے روح صلوٰۃ بدون صورت صلوٰۃ کے کامل نہیں ہوسکتی روح صوم بدون (۲) صورت صوم کے کامل نہیں ہوسکتی وعلی ہذا القیاس۔ ورنہ اگر تمہارے نزدیک اعمال میں روح ہی کافی ہے تو بیٹے کو بھی روح ہی کافی ہونا چاہئے پھر اس کے مرنے پر کیوں روتے ہو کیونکہ روح تو اب بھی موجود ہے صرف جسم ہی تو مرا ہے معلوم ہوا کہ باطن کے ساتھ ظاہر بھی ضروری ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شہادت حسیہ کو طلب فرمانا یہ اُسی جمع بین السورۃ والمعنی کی طلب ہے۔

شبہ کا جواب

اور اس پر ایک شبہ طالب علمانہ ہوتا ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت حسیہ مستلزم ہے قتل نبی کو اور قتل نبی کفر مستقل ہے تو اس کی طلب مستلزم ہوئی ہے کسی شخص کے کافر ہونے کی طلب کو؟ جواب یہ ہے کہ یہاں اپنے لیے شہادت کی طلب ہے دوسرے کے لیے کفر کی طلب نہیں گو لازم آجائے اور اشکال التزام میں ہے لزوم میں کچھ اشکال نہیں ورنہ بہت دور تک شبہ ہوگا (کیونکہ مثلاً نزول قرآن سے مخلوق کے دو فرقے ہوگئے بعض نے اس کو مانا بعض نے نہیں مانا جو لوگ قرآن سے منکر ہوئے وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہوئے حالانکہ نزول قرآن سے پہلے وہ صرف اعتقاد توحید یا اعتقاد انجیل وتورات سے ناجی ہوسکتے تھے اور نزول قرآن کے بعد یہ اعتقاد نجات کے لیے کافی نہ رہا اس کے جواب میں یہی کہا جائیگا کہ نزول قرآن سے مقصود تو مخلوق کی اصلاح وترقی ہے وہ خود فی ذاتہ کسی کے کفر کو مستلزم نہیں گو نزول کے بعد بعض کا کفر لازم آگیا ۱۲۔

اصلی مجاہد

یہ سب گفتگو مجاہدہ پر چلی تھی تو اُن بزرگ نے فرمایا کہ طریق میں عمل مجاہدہ

(۱) ایک روح ہے ایک جسم (۲) نماز کی روح بغیر نماز کی ظاہری ہیت کے حاصل نہیں ہوسکتی۔

ہے میں نے کہا اچھا اب بتلایئے کہ آپ کا جی سماع کو چاہتا ہے کہا ہاں۔ میں نے کہا ہمارا جی چاہتا ہے مگر ہم نہیں سنتے۔ اور تمہارا جب جی چاہتا ہے جب ہی سن لیتے ہو اب بتلاؤ مجاہد کون ہے ولولہ تو ہم کو بھی بہت ہوتا ہے مگر ہم اپنے شوق کو روکتے ہیں تا کہ معاصی کی طرف شوق نہ ہوجائے اور ساری عمر اس شوق کو دبائے رہیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ بس اس بھروسہ پر نفس کو مارے ہوتے ہیں کہ جنت میں سنیں گے تو بتلاؤ مجاہدہ ہم نے کیا یا تم نے اس جواب پر وہ بزرگ لاجواب ہوگئے اور اپنی غلطی کو تسلیم کیا۔ شاید تم یہ کہو کہ جب گانا بجانا جنت میں ہوگا تو یہ تو بہت اچھا کام ہے پھر دنیا میں بھی جنت کا کام کرنا چاہئے میں کہتا ہوں کہ جنت میں تو بہت کچھ ہوگا۔ وہاں تو نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے اور وہاں شراب بھی پینے کو ملے گی اور ستر حوریں بعض کو ملیں گی اور وہاں پر مرد ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنیں گے ریشم کے کپڑے پہنیں گے تو کیا یہ کام بھی تم دنیا میں کرو گے۔

طبیعت نہیں بدلتی

جیسے ایک بوڑھے مولوی صاحب جو زنانہ طبیعت رکھتے تھے کہتے تھے کہ گوٹہ لچکہ پہننے کو بہت ہی جی چاہتا ہے بعضوں کی طبیعت میں فطرۃً زنانہ پن ہوتا ہے اور جیسے ایک طالب علم نے حدیث میں حضرت عائشہؓ کے فضائل اور اُن کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا حال سنکر کہا کاش میں عائشہؓ ہوتی یا ہوتا طلبہ نے کہا سبحان اللہ آپ کو یہ طلب نہ ہوئی کہ میں ابوبکر و عمر ہوتا طلب بھی ہوئی تو یہ کہ عائشہ ہوتا۔ اسی طرح ایک بادشاہ کے لڑکے میں زنانہ پن تھا بادشاہ نے بہت تدبیر کی کہ اس میں مردانگی اور شجاعت پیدا ہو گھوڑے کی سواری اور ہتھیار چلانا بھی سیکھا یا مگر اس کی طبیعت سے یہ مادہ نہ نکلا لوگوں نے کہا اس کو شاہنامہ پڑھایئے کیونکہ اس میں شجاعت و بہادری کے ایسے ایسے اشعار ہیں۔

بروز نبرد آں یل ارجمند بشمشیر وخنجر بگرز وکمند
یلاں راسروسینہ وپاؤ دست برید وورید وشکست وبہ بست

بادشاہ نے اس پر بھی عمل کیا اور ایک استاد شاہنامہ پڑھانے کے لیے رکھا گیا سال بھر کے بعد امتحان لیا گیا کہ دیکھیں اس میں کچھ بہادری پیدا ہوئی یا نہیں کہا گیا کہ کوئی مقام کتاب کا سناؤ تو آپ نے یہ مقام نکالا

منیر ومنم دخت افراسیاب برہنہ ندیدہ تنم آفتاب

میں منیرہ ہوں افراسیاب کی بیٹی جس کے بدن کو آفتاب نے بھی کبھی نہیں دیکھا لوگ ہنس پڑے کہ شاہنامہ پڑھ کر بھی آپ کو منیرہ ہی بننے کا شوق ہوا۔ غرض طبیعت نہیں بدلا کرتی۔

اصل جنت کی پہلی دعوت

دوسرے آپ کو معلوم بھی ہے کہ جنت میں یہ نعمتیں کس کو ملیں گی۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دنیا میں ان کو ترک کریگا اس کو جنت میں یہ نعمتیں ملیں گی۔ میں نے ایک مضمون پہلے بھی بیان کیا ہے اب پھر کہتا ہوں کہ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت میں اہل جنت کو اول زمین کی روٹی کھلائی جائے گی اس پر بعض نے یہ شبہ کیا ہے کہ کیا ڈلے پتھر کھلائے جائیں گے اس کا جواب بھی میں نے پہلے دیا ہے کہ ڈلے پتھر نہیں کھلائیں گے بلکہ زمین کا جوہر کھلایا جائیگا اور زمین کا جوہر وہ ہے جو گیہوں میں سے نکال کر آپ کھاتے ہیں۔ آخر گیہوں کیا چیز ہے اجزاء ارضیہ(۱) ہی تو ہیں۔ اسی طرح انار انگور، سیب، نارنگی، کیلا، پھلی اور آم وغیرہ جو آپ کھاتے ہیں یہ کیا ہے۔ یہ بھی تو زمین ہی کے اجزاء ہیں لیکن آپ اگر زمین کو چھانیں گے تو بجز خاک(۲) کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ حق تعالیٰ کے پاس ایسی چھلنی ہے جس سے وہ یہ لذیذ جواہر زمین سے نکال کر آپ کو کھلاتے ہیں پس اسی طرح قیامت میں حق تعالیٰ اسی جوہر کو جو حبوب وغلات وفواکہ وثمرات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے زمین سے نکال کر مسلمانوں کو کھلائیں گے۔ اب غور کر لیجئے کہ وہ جوہر کتنا لذیذ ہوگا جس میں یہ سب لذائذ مجتمع ہوں گے تو اہلِ حقائق نے

(۱) زمین کے اجزا (۲) سوائے مٹی۔

فرمایا کہ اصل میں یہ ضیافت سب کے لیے مقصود نہ ہوگی بلکہ خاص تارکین لذّات دنیا کے لیے ہوگی باقی سب طفیلی ہوں گے۔ اوراس میں راز یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے دنیا میں لذائذ کو ترک کیا ہے حق تعالیٰ ان کو دخول جنت سے پہلے تمام لذائذ دنیا کا مزا چکھائیں گے کہ لو دیکھ لو دنیا کی لذائذ یہ تھیں۔ اب جنت کی لذائذ کو چکھو اور اُن کا اُن سے مقابلہ کرو تو یہ دولت بدولتِ ترک ہی (۱) کے ملے گی۔ حدیث سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے حدیث میں ہے کہ جو شخص دنیا میں شراب پئے گا وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا اور جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا آخرت میں اُس سے محروم رہیگا۔ اس سے یہ صاف سمجھا جاتا ہے کہ جو شخص دنیا میں لذائذ کو ترک کریگا وہ آخرت میں ان لذائذ سے زیادہ بہرہ ور ہوگا۔

حلِ اشکال

یہاں بعض کو اشکال ہوا ہے کہ ترک لذات مباحہ رہبانیت وبدعت ہے اس پر اجر کیسے ملے گا سو اس کی حقیقت سمجھئے کہ تارکین کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کو بوجہ افلاس کے یہ لذائذ ملے ہی نہیں اور ایک وہ جن کو لذائذ ملیں اور پھر ترک کیا۔ پہلی قسم پر کوئی اشکال نہیں لیکن پھر اس دوسری قسم میں دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ ترک لذات کو عبادت سمجھ کر ترک کیا یہ البتہ قابلِ اعتراض ہے اور بدعت ہے کیونکہ ترک لذات کو عبادت سمجھنا نصوص کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ عبادت سمجھ کر ترک نہیں کیا بلکہ بطور معالجہ واصلاح نفس کے ترک کیا جیسا کہ بیمار بیماری میں حکیم کے کہنے سے بہت سی لذّات سے پرہیز کرتا ہے وہ اس کو عبادت نہیں سمجھتا بلکہ محض علاج وتدبیر سمجھتا ہے سو جن محققین صوفیہ سے ترک لذات منقول ہے وہ صرف علاج وتدبیر کے طور پر ترک کرتے تھے اس لیے اُن پر اعتراض کا حق نہیں۔

جنت کی نعمتوں سے محرومی

یہاں ایک بات طالب علموں کے کام کی ہے وہ یہ کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ

(۱) دنیا میں لذّات کو چھوڑنے کی وجہ سے ہی ملیں گی۔

جو دنیا میں شراب پیئے اور حریر پہنے گا وہ آخرت میں ان سے محروم رہیگا۔ اس میں بعض علماء نے تو یہ کہا ہے کہ ایک خاص زمانہ تک محروم رہیں گے دخول اولی میں یہ نعمتیں اُن کو نہ ملیں گی اور بعض نے کہا ہے کہ دواماً محروم رہیں گے اس معصیت کا یہ اثر ہے کہ اس کے ارتکاب سے آخرت میں اس کی نظیر سے محرومی ہوگی جیسے معتزلہ کے بارے میں بعض علماء نے کہا ہے کہ بوجہ انکار رؤیت کے آخرت میں یہ لوگ رؤیت حق سے محروم رہیں گے گو جنت میں جائیں گے کیونکہ معتزلہ کافر نہیں مسلمان ہیں مگر اس معصیت اعتقادیہ کی یہ نحوست ہوگی کہ جنت میں جا کر بھی رؤیت سے محروم رہیں گے اور ان سے کہدیا جائیگا کہ تم تو رؤیت حق کو جنت میں بھی محال سمجھتے تھے تو بس اب تم محال کی تمنا نہ کرو تم کو رؤیت نہ ہوگی۔ یہ جواب ایسا ہی ہے جیسا کہ سرسید کے جواب میں مولوی محمد علی صاحب تحصیل دار نے فرمایا ہے کہ سرسید نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مولوی صاحبان شب قدر کے وقوع کے قائل ہیں۔ ہم تو بہت راتوں میں بیدار رہے بدقسمتی سے ہم کو تو کبھی نظر نہ آئی نہ معلوم کیا وجہ ہے؟ تو مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں کہ وجہ تو تم خود بتلا رہے ہو یعنی بدقسمتی پھر ہم سے کیا پوچھتے ہو۔ بڑا مزہ کا جواب ہے اسی طرح ایک فرقہ باطلہ کا اعتقاد ہے۔

سگ وخوک است دمیّت وکافر

یعنی اُن کے نزدیک مسلمان میت بھی کتے اور سور کی طرح ناپاک اور نجس العین ہے اہل حق کا مذہب یہ نہیں اُن کے نزدیک مسلمانوں کا مردہ اصل میں پاک ہے اور غسل نجاست عارضہ کے ازالہ کے لیے ہے۔ ایک دفعہ دونوں فرقوں کے کچھ آدمی اس مسئلہ میں گفتگو کر رہے تھے جب دیر ہوگئی تو ایک بزرگ نے فرمایا بھائی اس میں گفتگو کی کیا ضرورت ہے وہ بھی سچ کہتے ہیں اور تم بھی سچ کہتے ہو۔ ہر شخص اپنے اپنے مُردوں کا حال بیان کر رہا ہے۔ تم کو اپنی خبر ہے اُن کو اپنی خبر ہے ان کے مردے ایسے ہی ہیں جیسے وہ کہتے ہیں تمہارے پاک صاف ہیں پھر تم ان کی تکذیب کیوں کرتے ہو ان کے مُردے نجس العین ہی ہوتے ہوں گے بس یہ جواب سن کر فرقہ

باطلہ والے خاموش ہی تو ہو گئے۔

سماع سے احتراز کی وجہ

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جنت کی نعمتیں ترک لذات فی الدنیا کی بدولت حاصل ہونگی تو دنیا میں سماع سننے سے اندیشہ ہے کہ جنت میں سماع سے محرومی ہو اس لیے میں نے ان صوفی صاحب سے کہا کہ ہم تو جنت کے اُدھار پر بیٹھے ہوئے ہیں گو ولولہ بہت اُٹھتا ہے مگر صبر وضبط سے کام لیتے ہیں گو فقہاء کے برابر تو ہم سے ضبط نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ تو سماعِ صوت غناء(۱) کو مطلقاً حرام فرماتے ہیں گو مزامیر بھی نہ ہوں گو امرد اور عورت کی آواز نہ ہو اور سننا تو حرام ہے ہی وہ فرماتے ہیں کہ اگر آواز بلا قصد بھی کان میں پڑے تو کانوں کو بند کرلے اس کی ہمت ابھی تک نہیں ہوئی اگر امرد وعورت کی آواز نہ ہو اور مزامیر بھی نہ ہوں ایسی حالت میں بلا قصد طبیعت ادھر مائل (۲) ہوجاتی ہے اور اگر امرد وعورت کی آواز ہو یا مزامیر بھی ہوں تو الحمدللہ ثم الحمدللہ اُس وقت دل کو ہٹانے کی توفیق ہوجاتی ہے اور جس کو ضبط کامل کی پوری ہمت ہو کہ پہلی صورت میں بھی کان بند کرنے کی توفیق ہوجائے اس کی یہ حالت مبارک حالت ہے واقعی فقہاء ضابط کامل ہیں اُن سے زیادہ کون ضابط ہوگا تو جس طرح سماع کے باب میں باوجود شوق وولولہ کے ہم ضبط سے کام لیتے ہیں اور جو درجہ سماع کا محدثین کی رائے پر مباح ہے اس کو بھی انتظام عوام کے لیے ترک کئے ہوئے ہیں۔

میلاد النبی نہ منانے کی وجہ

اسی طرح ماہ ربیع الاول میں گو ہر طرف مجلسِ مولود کو دیکھ کر ہمارے دل میں گدگدی اُٹھتی ہے اور ایک تحریک وتقاضا پیدا ہوتا ہے مگر عوام کے غلو فی المنکرات کی وجہ سے ہم اس ماہ میں خاص تاریخوں میں یہ ذکر نہیں کرسکتے۔ اس پر لوگ ہم کو بدنام کرتے

(۱) گانے کے طور پر بغیر آلات کے سماع کو بھی منع کرتے ہیں (۲) اگر میلاد پڑھنے والی عورت اور بچہ نہ ہو نہ آلات میوزک ہوں پھر کوئی مرد پڑھے تو کچھ گنجائش ہونے کی وجہ سے اس طرح میلان طبعی ہوتا ہے۔

ہیں کہ یہ لوگ ذکر رسول سے منع کرتے ہیں استغفر اللہ! ارے ذکر رسول وحب رسول تو ہمارے یہاں عین ایمان ہے پھر بھلا عین ایمان سے بھی کوئی مسلمان منع کرسکتا ہے بلکہ دراصل ہمارے علماء ان منکرات سے روکتے ہیں جو اس ذکر کے ساتھ عوام نے منضم کر رکھی ہیں مگر چونکہ ان منکرات کی اصلاح اس ذکر کو باقی رکھ کر نہیں ہوسکتی اور یہ ذکر خاص ایام میں واجب نہیں اس لیے وہ منکرات کی اصلاح کے لیے قیود کے ساتھ ذکر ہی سے منع کرتے ہیں چنانچہ منجملہ ان منکرات کے ایک قیام ہے جس میں عوام کے اعتقادات حدود شرع سے متجاوز ہیں اس میں بھی بعض لوگ ہمارے علماء کو بدنام کرتے ہیں کہ قیام تو ذکر رسول کی تعظیم کے لیے ہے اور یہ مولوی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم سے منع کرتے ہیں۔ اس کا جواب ایک مولوی صاحب نے خوب دیا کہ ہم ذکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم سے نہیں روکتے بلکہ ذکر اللہ کی بے تعظیمی سے روکتے ہیں کیونکہ تم ذکر اللہ کے وقت قیام نہیں کرتے پس اگر سارا ذکر مولد قیام ہی سے کرو اور سامعین بھی سارا ذکر کھڑے ہوکر سنیں تو ہم اس قیام سے کبھی منع نہ کریں گے اور مزا ہے کہ اس قسم کے اعتراضات مولویوں ہی پر کئے جاتے ہیں۔

نقشبندیوں کا مذاق

صوفیوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا حالانکہ بعض دفعہ وہ مولویوں سے بھی زیادہ وحشتناک حکم دیتے ہیں چنانچہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی مجلس میں ایک شخص کی زبان سے جہر کے ساتھ اللہ نکل گیا چونکہ وہ نقشبندی تھے جن کے یہاں ضبط احوال کی تاکید ہے یہاں تک کہ ذکر بھی خفی بتلاتے ہیں جہری نہیں بتلاتے اس لیے آپ نے فرمایا کہ نکالدو اس کو۔ ظاہر میں یہ حکم بہت وحشتناک تھا کہ اللہ کہنے پر مجلس سے نکالدیا اگر کوئی مولوی ایسا کرتا تو اسی وقت کفر کا فتویٰ دیا جاتا کہ ذکر اللہ سے منع کرتے ہیں مگر صوفیوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا یہاں بڑی جلدی حقیقت کو سمجھ لیتے ہیں کہ ذکر اللہ پر نہیں نکالا بلکہ عدم ضبط پر نکالا کہ اس سے اتنا ضبط بھی نہ ہوسکا اور معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کو قرائن سے معلوم

ہوگیا ہوگا کہ اس کو ضبط کی طاقت تھی۔ باوجود طاقت ضبط کے پھر ضبط نہیں کیا اگر واقعی حد ضبط سے نکل جاتا تو پھر ملامت نہ فرماتے اسی کو شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

دمادم شراب الم درکشند وگر تلخ بینند دم در کشند
بہ تسلیم سردر گریبان برند چو طاقت نماند گریباں برند(۱)

یہ نقشبندیہ کا مذاق ہے۔

چشتیوں کا مذاق

اور چشتی کا مذاق یہ ہے کہ تقاضے کو دبایا نہ جائے۔ اگر رونے کو جی چاہے رولو چلانے کا تقاضا ہو چلاؤ۔ دل کو گھوٹ کر بیٹھنا اور حالات کو دبانا ان کے یہاں نہیں ہے مگر ہاں مکاری اور فریب کی اجازت ان کے یہاں بھی نہیں ہے جیسے کہ آجکل اکثر لوگوں کا حال ووجد محض مکر سے ہوتا ہے۔ ایک دفعہ حافظ محمد حسین صاحب شاہجہاں پوری کی مجلس میں ایک شخص پر حال طاری ہوا حافظ صاحب بہت اچھے آدمی تھے دوکاندار نہ تھے۔ بلکہ طالب حق تھے مگر صاحب سماع تھے اور چونکہ سچے آدمی تھے اس لیے مجھ سے محبت کرتے تھے کیونکہ سچا آدمی محض اختلاف مسلک کی بنا پر کسی سے مکدر نہیں ہوا کرتا بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ اس اختلاف کا مبنی صدق ہے یا کذب اگر مبنی صدق ہے تو سچے آدمی کو اُس سے محبت ہوگی گو مسلک میں اختلاف ہو۔

میلاد میں قیام کی حقیقت

میرے پاس کبھی کبھی حافظ صاحب کے خطوط بھی آتے تھے جن میں مسائل شرعیہ کی تحقیق ہوتی تھی۔ تو ان کی مجلس میں ایک شخص وجد میں کھڑے ہوگیا اور ادب سماع میں سے یہ ہے کہ صاحب حال کا سب ساتھ دیں اگر وہ کھڑے ہو تو سب کھڑ ہو جائیں اور جس شعر پر اُسے وجد ہوا ہو قوال اُسی شعر کو بار بار پڑھتا رہے۔ امام غزالی نے بھی اس

(۱) ''ہردم رنج کی شراب پیتے ہیں جب اس میں رنج کی کڑواہٹ دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں۔ اول تو ضبط کر کے سر جھکا لیتے ہیں مگر جب طاقت نہ رہے اس وقت بے اختیار ہو کر کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں''۔

قیام کو آداب سماع میں ذکر کیا ہے اور دراصل یہ مسئلہ طبی ہے جس کا راز یہ ہے کہ موافقت حال سے صاحب حال کو انبساط سکون ہوتا ہے(۱) اور صاحبِ حال کی مخالفت کرنے سے انقباض(۲) ہوجاتا ہے جس سے بعض اوقات ہلاکت کا خطرہ ہے اسی لیے یہ معمول ہے کہ جس شعر پر حال طاری ہوا ہو اُسی کو مکرر پڑھتے ہیں اس کا بھی یہی راز ہے کہ اس کے تکرار سے انبساط ہوتا ہے قبض نہیں ہوتا۔ صوفی نے اس مسئلہ کو صوفی ہونے کی حیثیت سے ذکر نہیں کیا بلکہ طبیب ہونے کی حیثیت سے ذکر کیا ہے کیونکہ یہ حضرات طب روحانی کے ساتھ کچھ طب جسمانی سے بھی واقف ہوتے ہیں اب لوگوں نے اس مسئلہ کو تصوف کا مسئلہ بنالیا یہ غلط ہے گو کتب تصوف میں اس کا ذکر ہے مگر تصوف کے طور پر نہیں ہے بلکہ طبّی حیثیت سے استطراداً ذکر کردیا گیا ہے جیسا کہ فقہاء بھی بعض دفعہ تبعاً کسی مسئلہ طبی کو بیان فرمادیتے ہیں (کما قالوا فی الوضوء بالماء الشمس انه یکره لا ضراره(۳) ۱۲ظ) غرض حافظ صاحب بھی اس کے ساتھ کھڑے ہوگئے کچھ دیر کے بعد وہ بیٹھ گیا حافظ صاحب بھی مع مجمع کے بیٹھ گئے تھوڑی دیر میں وہ پھر کھڑا ہوا حافظ صاحب بھی کھڑے ہوگئے پھر بیٹھ گیا تو وہ بھی بیٹھ گئے تیسری بار وہ پھر کھڑا ہوا تو حافظ صاحب نے اب قیام نہیں کیا بلکہ فرمایا اس کو باہر نکالدو مکار ہے کیونکہ وہ مبصر تھے قرائن ظاہرہ یا باطنہ سے سمجھ گئے ہوں گے کہ اس کا حال صادق نہیں کاذب ہے مگر چونکہ ایک صوفی نے نکلوایا اس لیے کوئی اعتراض نہیں اور کوئی مولوی نکلواتا تو اُسی وقت فتوے لگ جاتے۔ تو یہاں قیام کی وجہ سے حافظ صاحب نے اس کو نہیں نکالا بلکہ مکر کی وجہ سے نکلوایا اسی طرح مولوی بھی قیام تعظیمی کو منع نہیں کرتے بلکہ قیام بے تعظیمی سے روکتے ہیں جس میں احکام شرعیہ کی مخالفت کی جاتی اور شریعت میں ایک جدّت تراشی جاتی ہے۔ لیکن وہ غریب دنیا میں بدنام ہیں ان کے اقوال کی حقیقت سمجھنے کی کوئی بھی کوشش نہیں کرتا مگر مولویوں کو شریعت کی حفاظت کے سامنے اپنی بدنامی کی بھی پروا نہیں، چاہے کوئی کچھ کہے

(۱) دل کھل کر سکون ہوتا ہے (۲) دل گھٹتا ہے (۳) جیسے سورج کی گرمی سے جو پانی گرم ہوجائے اس سے وضوء کرنا مکروہ ہے کیونکہ وہ طبی طور پر نقصان دہ ہے۔

اُن کی بلا سے۔ ایک غازی پوری مولوی اٹاوہ میں مجھ سے کہنے لگے کہ جماعت دیوبند کے تقوے اور تقدس کی تمام دنیا معتقد ہے صرف ایک بات لوگوں کو کھٹکتی ہے کہ آپ حضرات قیام نہیں کرتے اگر آپ قیام کرنے لگیں تو تمام دنیا آپ کی غلام ہوجائے میں نے کہا کہ وہ ہمارآقا بن جائیں لیکن مکھی بال تو ہم قصداً نہیں کھا سکتے اب چاہے دنیا معتقد ہو یا بے اعتقاد ہو۔

ربیع الاول کے فضائل

بہرحال ربیع الاول کے مہینہ میں ایک تحریک ذکرِ فضائل نبوی کی ہوتی ہے مگر کبھی ۱۲ ربیع الاول سے پہلے کبھی بعد کو کیونکر اس خاص تاریخ میں تو ذکر ہم کرنہیں سکتے جس کی وجہ اوپر مذکور ہوچکی اور کبھی اگلے ماہ میں تحریک ہوتی کبھی پچھلے ماہ میں کیونکہ اس ماہ کے قرب سے بھی کچھ انوار محسوس ہونے لگتے ہیں اور کیوں نہ ہوں اس ماہ میں ایسی ذات کی تشریف آوری ہوئی ہے جو مجمع الانوار اور منبع الانوار ہیں۔ اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

لِهذَاالشَّهْرِ فِی الْاِسْلَامِ فَضْلٌ وَ مُنْقَبَةٌ تَفُوْقُ عَلَی الشُّهُوْرِ
رَبِیْعٌ فِی رَبِیْعٍ فِیْ رَبِیْعٍ وَ نُوْرٌ فَوْقَ نُوْرٍ فَوْقَ نُوْرٍ(۱)

ربیع الاول افضل ہے یا رمضان

باقی یہ گفتگو تو فضول ہے کہ ربیع الاول افضل ہے یا رمضان افضل ہے۔ ایک عارف ایسے سوالات کی نسبت فرماتے ہیں کہ یہ سوال ایسا ہے جیسا کہ یہ سوال کیا جائے کہ پانی افضل ہے یا کھانا۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ تفضیل نوع واحد کے افراد میں ہوا کرتی ہے نہ کو نوعین مختلفین میں کھانا اور پانی ایک نوع نہیں ہیں بلکہ دو نوع ہیں۔ ہر نوع اپنے درجہ میں مستقل ہے ہر ایک کے خواص جدا ہیں افعال جدا

(۱) اہل اسلام کے نزدیک اس مہینے کو بندگی حاصل ہے اور ایک ایسی منقبت جو اور مہینوں پر فوقیت دیتی ہے۔ گویا کہ یہ موسم بہار کی بہار میں بہار ہے اور ایک نور ہے جو نور الانور پر''۔

ہیں پانی اپنے خواص میں افضل ہے اور کھانا اپنے خواص میں افضل ہے اس لیے ان میں تفضیل کا سوال ہی فضول ہے۔

معیار حسن

بلکہ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ نوع واحد کے افراد میں بھی ہر فرد کا حسن الگ ہے اور اختلاف مزاق کے اعتبار سے یہ ہوسکتا ہے کہ ایک فرد کسی کے نزدیک حسن ہو دوسرے کے نزدیک حسن نہ ہو۔ چنانچہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ حبشہ میں بڑا حسین وہ ہے جو خوب سیاہ ہو جس کی سیاہی میں چمک پیدا ہوگئی ہو اور ہونٹ خوب موٹے موٹے ہوں۔ حبشیوں کے نزدیک یہی حسن ہے اور ان کی طبائع اسی پر فریفتہ ہوتی ہیں۔ واقعی اگر اللہ تعالیٰ اُن میں یہ بات پیدا نہ کرتے تو حبشنیں تو سب کنواری ہی رہتیں اس اختلاف مذاق کا یہ اثر ہے کہ اگر ہمارے سامنے قورما اور ماش کی دال رکھی جائے تو ہم قصباتی لوگ تو ماش کی دال ہی کو پسند کریں گے اور اگر ہمارے سامنے نئے نئے کھانے لائے جائیں جو کبھی نہ کھائے ہوں ہم کو ان کی قدر نہیں ہوسکتی چنانچہ ایک قصبہ میں جہاں کے لوگ بھولے مشہور ہیں اور بھولے کے معنی معلوم ہیں، تھانہ بھون سے بارات گئی وہاں باراتیوں کے لیے تنجن پکا تو تھانہ بھون کے ایک صاحب نے جنہوں نے تنجن کبھی نہ کھایا تھا کہنے لگے واقعی اس قصبہ کے لوگ بیوقوف ہوتے ہیں دیکھو میٹھے چاولوں میں گوشت ڈال رکھا ہے اس کے پاس والے نے کہا کہ چپکا چپکا کھالے تھانہ بھون کو بدنام نہ کر باہر جا کر میں تجھے اس کی حقیقت بتلادوں گا۔ تو دیکھئے اس شخص کو تنجن کی قدر نہ ہوئی گو وہ فی نفسہٖ بہت لذیز کھانا ہے۔

ملاجیون کی حکایت

اسی طرح ملاجیون کا قصہ مشہور ہے کہ شاہ دہلی کے یہاں مہمان تھے۔ بادشاہ نے عرض کیا اگر کسی خاص چیز کی رغبت ہو تو ارشاد فرمایئے۔ فرمایا گلگلوں کو جی چاہتا ہے بادشاہ نے باورچی کو حکم دیا اگلے وقت دسترخوان پر گلگلے حاضر کئے گئے ملاجی نے کھا کر

کچھ تعریف نہ کی بادشاہ نے پوچھا کچھ پسند آئے فرمایا جیسے ہمارے گھر پکتے ہیں یہ ویسے نہیں تھے بادشاہ نے باورچی کو تاکید کی کہ دوسرے وقت ذرا اور اہتمام سے پکانا اُس نے دوسرے وقت گھی اور مصالح کی اور زیادتی کی ملّا جی نے پھر بھی تعریف نہ کی۔ بادشاہ نے باوچی کو دھمکایا کہ تم سے گلگلے بھی ملا جی کی مرضی کے موافق نہیں پکتے باورچی سمجھدار تھا سمجھ گیا اور کہا حضور ان شاء اللہ کل کو ملا جی کی مرضی کے موافق پکیں گے اگلے دن اُس نے بجائے شکر کے بہت سا گڑ ڈالا اور بجائے گھی کے تیل ڈالا اور ان کو خوب اچھی طرح بھونا کہ سیاہ ہوگئے اب جو وہ دستر خوان پر آئے تو بادشاہ کا تو تیل اور گڑ کی تیزی سے دماغ پریشان ہوگیا مگر ملا جی کھا کر خوش ہوگئے کہ ہاں یہ ہیں گلگلے جس میں گڑ کی گڑاہنڈ اور تیل کی تلاہنڈ نہ ہو وہ بھی کچھ گلگلے ہیں۔ خیر یہ تو ہنسی کی باتیں ہیں مگر اُن عارف کا یہ جواب بہت لطیف ہے کہ رمضان اور ربیع الاوّل کی مثال پانی اور کھانے جیسی ہے اُن میں یہ سوال کرنا کہ کون افضل ہے۔ فضول ہے ہر ایک اپنے درجہ میں مستقل ہے اور ہر ایک کے انوار وخواص جدا ہیں وہ اپنے درجہ میں افضل ہے یہ اپنے درجہ میں افضل ہے۔

۱۲ ربیع الاول کی تخصیص کی ممانعت کی وجہ

اس لیے ربیع الاول میں ایک خاص برکت ونور ہے جس سے ذکر فضائل نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک پیدا ہوتی ہے مگر میں نے ۱۲ تاریخ کو کبھی ذکر نہیں کیا بلکہ اکثر اس کے بعد اور پہلے کیا ہے۔ بہت لوگ علماء سے اس تخصیص کے مسئلہ میں اُلجھتے ہیں کہ صاحب اس میں کیا حرج ہے اور اگر ہم نے ۱۳ کو مولود پڑھ لیا تو کونسا جرم کیا تو سمجھ لیجئے کہ اصل میں تو تخصیص اعتقادی جرم ہے کہ کسی خاص تاریخ یا وقت کے ساتھ کسی مستحب کو اعتقاداً بلا دلیل شرعی مقید کر لینا کہ اس مستحب کا اس تاریخ میں کرنا دوسری تاریخوں میں کرنے سے افضل ہے کیونکہ اس میں قانون شکنی ہے اور شریعت کی مزاحمت ہے جب شریعت نے کسی چیز کو مطلق رکھا ہے اور کسی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا اس کو مقید کرنا گویا قانون شریعت میں اضافہ اور اصلاح ہے اور اس کا جرم ہونا سب کو معلوم ہے ذرا کوئی

سلاطین دنیا کے احکام میں تو ایسا کر کے دیکھے کہ قانون عام کو کسی قید سے مقید کر دے فوراً ملزم اور باغی شمار ہوجائیگا۔ لیکن تخصیص عملی اس لیے ممنوع ہے کہ اس میں مخصص فی الاعتقاد کے ساتھ تشبہ دیکھنے والے یہ سمجھیں گے کہ یہ بھی اعتقاداً اس طاعت کو اس وقت کے ساتھ مخصوص سمجھتا ہوگا اور مسئلہ تشبہ فقہ کی بہت بڑی اصل ہے جس سے بیشمار مسائل مستنبط کئے گئے ہیں مثلاً ایک شخص دکان پر یا دسترخوان پر شراب کی سی بوتلیں بھر کر رکھے گو ان میں پانی ہو شراب نہ ہو وہ مجرم ہے اور شرعاً گنہگار ہے کیونکہ اس نے شراب خوروں کے ساتھ تشبہ کیا کس کس سے کہتا پھرے گا کہ ان میں پانی ہے شراب نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو سرِ بازار ایک عورت سے باتیں کرتے دیکھا فوراً درہ لے کر لپکے اُس نے کہا یہ تو میری بیوی ہے فرمایا کیا تو دنیا بھر کے آدمیوں سے کہنے جائیگا کہ یہ میری ہے لوگوں کو تو تجھ پر تعلق بالاجنبیہ ہی کا شبہ ہوگا پھر بلاوجہ مسلمانوں کو بدظنی میں کیوں مبتلا کرتے ہو خبردار جو آج سے سرِ بازار کسی عورت سے بھی بات کی چاہے بیوی یا باندی ہی کیوں نہ ہو، واقعی انتظام تو اسی طرح ہوسکتا ہے اب اگر تم یہ کہو کہ ہمارا اعتقاد تو صحیح ہے تو ہم اس کا یہی جواب دیں گے کہ دیکھنے والوں کو کیا خبر کہ تمہارا اعتقاد کیسا ہے وہ تو تخصیص عملی سے تخصیص اعتقادی ہی کا شبہ کریں گے۔ گو تمہارا اعتقاد صحیح ہے مگر دوسروں کو تمہاری تخصیص سے سند لینے کا موقعہ ملے گا اور وہ تخصیص اعتقادی کے گناہ میں مبتلا ہوں گے۔

میلاد پڑھنے والوں کا حال

شاید کوئی کہے کہ ان تخصیصات کو واجب کون کہے گا میں یہ کہتا ہوں یہ خیال غلط ہے آپ کو عوام کا تجربہ نہیں ہے یہاں ان اطراف میں تو اکثر خوش اعتقاد لوگ ہیں مگر جہاں اہل مولود کی کثرت ہے وہاں جا کر دیکھئے کہ ترک صلوٰۃ و ترک صیام و ترک زکوٰۃ پر ملامات نہیں زنا کے ارتکاب اور ڈاڑھی کے منڈانے پر ملامت نہیں مگر ان تاریخوں میں مجلس مولود کی عدم شرکت پر ملامت ہے اسی طرح صریح گناہوں پر ملامت

نہیں اور ترک قیام پر ملامت ہے آخر وہ اس کو واجب نہیں سمجھتے تو اور کیا ہے۔ میں نے ایک دفعہ کانپور میں کہا تھا کہ ہم میں اور اہل قیام میں اختلاف ہے ہم ان کو کہتے ہیں کہ تم قیام کو واجب سمجھتے ہو اور وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور وہ ہم کو کہتے ہیں کہ تم حرام سمجھتے ہو اور ہم اس کا انکار کرتے ہیں تو اچھا اسکا ایک امتحان ہے کہ آج سے ہم تمہارے قیام والے مولود میں شرکت کریں گے اور تم ہمارے عدم قیام والے مولد میں شرکت کیا کرو اگر دونوں طرف سے شرکت ہوگئی تو دونوں کا گمان غلط اور اگر ایک طرف سے شرکت ہوگئی اور دوسری طرف سے نہ ہوئی تو شرکت نہ کرنے والے کا گمان غلط مگر میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ ہم تو شرکت کرلیں گے اُن سے نہ ہوسکے گی جس سے صاف معلوم ہوجاویگا کہ وہ لوگ قیام کو ضروری سمجھتے تھے ہم حرام نہیں سمجھتے اگر سب کے اعتقاد درست ہوجائیں تو ہم بھی کبھی کبھی قیام کرنے لگیں گے۔ دواماً تو نہ کریں گے کیونکہ دوام ہی کی بدولت تو یہ روزِ بد دیکھنا نصیب ہوا ہے کہ آج مسلمانوں کی دو جماعتوں میں ایسا افتراق ہوگیا ہے کہ وہ اس کے دشمن ہیں اور یہ ان کے دشمن۔

میلاد میں قیام کرنے والوں کی اصلاح کا طریقہ

مگر اس میں جس طرح اہلِ قیام کی زیادتی ہے۔ تھوڑی سی زیادتی تارکین کی بھی ہے وہ یہ کہ ہماری جماعت کے لوگوں کو جس شخص کی نسبت یہ معلوم ہوجائے کہ یہ مولود کرتا یا قیام کرتا ہے تو فوراً اُس سے بدظن ہوجاتے ہیں اور اس کو فاسق سمجھنے لگتے ہیں اور پہلے ہی دن اس کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ مولد وقیام کو بالکل ترک کردے تب ہم اس سے میل جول کریں ورنہ نہیں حالانکہ جو شخص کسی چیز کا ایک مدت دراز سے عادی ہے وہ اس کو ایک دن میں کیونکر ترک کرسکتا ہے ہم کو یہ چاہئے تھا کہ عامل قیام سے اگر قیام ترک نہ ہوسکے تو ہم اس کے اعتقاد ہی کو درست کریں اور اس سے کہیں کہ بھائی تم مولود وقیام کرتے رہو مگر اعتقاد یہ رکھو کہ تخصیصات واجب نہیں ہیں اس طرح اُمید ہے کہ وہ رفتہ رفتہ راہ پر آجائیگا مگر نہیں تم تو یہ چاہتے ہو کہ یہ بالکل ترک ہی کردے بھلا یہ کیونکر

ہوسکتا ہے غور کیجئے اگر ایک شخص کو بواسیر ہو جس کی وجہ سے بہت خون گرتا ہو اور کسی دوا سے خون کا گرنا بالکل موقوف نہ ہو مگر سوا سیر کی جگہ پاؤ سیر رہ جائے تو یہ فائدہ ہے یا نہیں۔ یقیناً یہ بھی بڑا فائدہ ہے اس دور کو ترک نہ کرنا چاہئیے اسی طرح اگر عامل مولد سے تخصیص عملی ترک نہ ہوسکے مگر اعتقاد کی اصلاح ہوجائے تو یہ بھی بڑا فائدہ ہے اس لیے ہم کو محض یہ دیکھ کر کسی کا دشمن اور مخالف نہ ہونا چاہیے کہ وہ مولد یا قیام کرتا ہے۔ مگر یہاں تو ہر طرف پہلوان ہیں بلکہ پہلوان یعنی جاہل اسی واسطے یہ قصہ اتنا بڑھ گیا ہے ورنہ محقق کے کلام سے فتنہ نہیں بڑھ سکتا۔ محقق کے کلام کی خاصیت یہ ہے کہ اس کی بات نہ سمجھنے پر تو سب اس کے دشمن ہوجاتے ہیں اور سمجھنے کے بعد سب اس سے راضی ہوجاتے ہیں۔

قولِ فیصل

مجھ سے مولوی محمد یحییٰ صاحب سیوہاروی بیان کرتے تھے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بار سیوہارہ تشریف لے گئے تو وہاں مولود اور قیام کا جھگڑا تھا دونوں فریق مولانا کی خدمت میں فیصلہ کے لیے حاضر ہوئے مولانا نے فرمایا کہ بھائی سچ بات تو یہ ہے کہ یہ عمل نہ تو اتنا اچھا ہے جتنا تم کہتے ہو اور نہ اتنا بُرا ہے جتنا دوسرے کہتے ہیں واقعی کیسا محققانہ جواب ہے مگر یہ متن ہے جس کے لیے شرح کی ضرورت ہے چنانچہ ایک شُریح جس کو قاضی شریح کہنا چاہیئے وہ ہے جو میں نے ابھی عرض کی کہ اصل میں تو تخصیص اعتقادی ناجائز ہے اور تخصیص عملی بوجہ تشبہ کے ناجائز ہے مگر تخصیص اعتقادی کے برابر نہیں تو اگر کوئی شخص محض تخصیص عملی میں مبتلا ہو اور اس کا اعتقاد درست ہو اس سے نہ الجھنا چاہئے اور جو دونوں میں مبتلا ہو اس کے اعتقاد کی اصلاح کرنا چاہئیے پہلے ہی دن ترک عمل کی کوشش نہ کرنا چاہئے اگر ہماری جماعت اس طریقہ کو اختیار کرے تو زیادہ فساد نہ ہو۔ پس یہ تخصیصات واقعی ناجائز ہیں اس میں کون شبہ کرسکتا ہے مگر اہلِ حق کو یہ نہ چاہئے کہ ہر مولود خواں سے فوراً ہی بدگمان ہوجائیں ممکن ہے کہ اُس کا اعتقاد درست ہو اور محبت کی وجہ سے تخصیص عملی میں مبتلا ہو جس میں کسی قدر معذور ہو۔ شاید تم

یہ کہو کہ اس تفصیل کے ساتھ تو آج تک کسی نے بیان نہیں کیا جس نے بھی بیان کیا تخصیص کو مطلقاً ممنوع کہا تو بات یہ ہے کہ تبلیغ کے وقت تفصیل نہیں کیا کرتے بلکہ تفصیل تحقیق کے وقت ہوتی ہے۔ دیکھو اگر موسم وبا میں امرودوں سے روکنے کی منادی کرائی جائے تو یوں نہ کہیں گے کہ گورنمنٹ امرودوں سے ان لوگوں کو منع کرتی ہے جن کو وہ مضر ہوں۔ کیونکہ اس تفصیل سے مقصود حاصل نہ ہوگا ہر شخص کھائیگا اور یہ کہہ دیگا کہ مجھ کو مضر نہیں۔ ہاں جس وقت کوئی ڈاکٹر سے تحقیق کا طالب ہوگا اس وقت وہ تفصیل کریگا کہ سب کو تو مضر نہیں بلکہ فلاں کو مضر ہے۔ غرض تبلیغ کے وقت تفصیل نہ کرنا تو اہل حق کا بجا فعل ہے مگر تحقیق کو بالکل نظر انداز کر دینا اور اہل مولد کو مطلقاً بُرا سمجھنا اچھا نہیں بلکہ ان میں تفصیل کرنا چاہئیے یہ نہیں کہ اپنے کو تو مخمل سمجھو اور دوسروں کو مہمل سمجھو۔

ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت

بہر حال ربیع الاول کے مہینہ میں اکثر ذکر فضائل نبوی کی تحریک ہوتی تھی اس مرتبہ ماہ صفر میں وعظ کے لیے اضیاف کی تحریک ہوئی تو وہ مضمون یاد آ گیا کیونکہ اس کا مہینہ قریب آ گیا ہے تو اب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے لیے یہی موقعہ تجویز کیا تا کہ مہینہ کی تخصیص کا بھی شبہ نہ ہو اور حضور کا ذکر بھی ہو جائے جس کو دل چاہتا تھا۔ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر ہے شاید یہ کہو کہ ولادت کا ذکر کہاں ہوا تو میں کہتا ہوں کہ بعثت میں ولادت کا ذکر بھی آ گیا جیسے سو میں ایک دو تین بھی داخل ہیں کیونکہ جس طرح سو بدوں ایک دو تین کے نہیں بن سکتے اسی طرح بعثت بھی بدوں ولادت کے نہیں ہو سکتی۔ دوسرے بعث کا ذکر ولادت کے ذکر سے رتبۃً مقدم ہے کیونکہ حضور کی ولادت سے مقصود یہی ہے ولادت تو محض اس کے لیے وسیلہ و ذریعہ ہے۔ غور کیجئے اگر کسی سلطان کی تعریف کی جائے یا سیرت لکھی جائے تو اوّل اس کے قوانین اور انتظام سلطنت کے کارنامے بیان کئے جائیں گے کہ اس نے یوں راستوں کا انتظام کیا اس طرح خطرات کو رفع کر کے رعایا کو مطمئن کیا اور لشکروں کو اس طرح آراستہ کیا اور

نہایت ہوشیاری اور تدبیر سے دشمنوں پر جنگ میں غالب آیا اس سے فراغت ہوکر پھر اس کے اخلاق وعادات اور لباس کی حالت بیان کی جائے گی۔ کیونکہ ان سے بھی روح کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ شیخ سعدی ایک بادشاہ کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ فرماندہی داد گر قبا داشتے ہر دور وآستر

پھر اس کے بعد حسن ظاہر کا ذکر کیا جائیگا کہ ان کمالات سیرت کے ساتھ خدا نے اس کو حسنِ صورت بھی اعلیٰ درجہ کا دیا تھا۔ اور اگر کوئی عقلمند صرف اس کی ولادت کے حالات اور حسنِ صورت کی حکایات بیان کردے تو اس کو بادشاہ کی سیرت نہ کہا جائیگا بلکہ دیکھنے والے یہ سمجھیں گے کہ کسی معشوق کا تذکرہ ہے۔ ایسے ہی سمجھ لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ یا سیرت میں اوّل کمالات نبوت کا ذکر ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا کمال یہی ہے کہ آپ نبی ہیں اور خاتم النبیین وسید المرسلین ہیں جن میں اول احکام بیان کئے جائیں گے تاکہ معلوم ہو کہ آپ ایسی معتدل اور کامل اور سہل شریعت لے کر مبعوث ہوئے ہیں جس کے بعد واقعی کسی شریعت کی ضرورت نہیں پھر معجزات کا ذکر ہوگا۔ کیونکہ عقلاء تو احکام وشریعت کی خوبی سے کمال کا اندازہ کرسکتے ہیں مگر متوسط العقول کی فہم وہاں تک دیر میں پہنچتی ہے اور کم عقل کی تو پہنچتی ہی نہیں اور نبی عامۂ مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوتا ہے تو چاہیے کہ اس میں وہ کمالات بھی ہوں جن کو ہر شخص سمجھ سکے وہ معجزات ہیں اس کے بعد پھر حسن وجمال ظاہری کا تذکرہ ہوگا اور یوں کہا جائیگا۔

حسن یوسف دمِ عیسی ید بیضا داری انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری(۱)

سیرت نگاری

اب آجکل جو سیرتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھی گئی ہیں جن میں سے شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہت مشہور ہے اور لوگ اس پر بہت فریفتہ ہیں مگر ذرا اُن میں اس معیار کو ملحوظ رکھ کر غور کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نہیں ہے بلکہ

(۱) ''یوسف علیہ السلام کا حسن عیسی علیہ السلام کا احیا موتی موسیٰ علیہ السلام کا عصاء آپ میں یہ سب معجزات جمع تھے''۔

دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا کسی بادشاہ کی سوانح ہے کیونکہ کمالاتِ نبوت سے جو حضور کا اصلی کمال ہے اس میں تعرض ہی نہیں معجزات تو بالکل حذف ہی ہیں بس یہ کمالات ذکر کئے گئے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو اس تدبیر وتحمل سے تابع کیا مدینہ والوں میں یوں اتفاق پیدا کیا جنگ بدر میں اس طرح انتظام کیا اور غزوۂ احد میں یہ کیا غزوۂ خندق میں ایسا انتظام کیا بھلا یہ نبی کی سیرت ہے ہم نے مانا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملک وسلطان بھی ہیں مگر آپ اول نبی ہیں پھر ملک ہیں۔ محض بادشاہ ہونا آپ کا مخصوص کمال نہیں بادشاہت تو کسریٰ وہرقل کو بھی نصیب تھی مگر وہ محض بادشاہ تھے اور حضور نبی وملک تھے نبوت وسلطنت کے جامع تھے تو سب سے پہلے آپ کے سیرت وتذکرہ میں کمالات نبوت کا ذکر ہونا چاہئے مگر آجکل اکثر سیرتیں اس سے خالی ہیں اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت بنام الفاروق چھپی ہے اس کے بھی لوگ بہت مداح ہیں مگر اول سے آخر تک اسے دیکھ جایئے بس یوں معلوم ہوگا کہ کسی بڑے مدبر بادشاہ یا کسی فوجی جرنیل کی سوانح ہے بس اُس میں یہی تذکرے ہیں کہ حضرت عمر نے ڈاک کا یوں انتظام کیا لشکروں کو اِس طرح تقسیم کیا استغفر اللّٰہ کیا یہی کمالات عمری ہیں کیا اس انتظام سلطنت سے پہلے حضرت عمر وہ عمر ہی نہ تھے جن کی یہ تعریف کی جارہی ہے اور اگر سلطنت وخلافت سے پہلے بھی وہ وہی عمر تھے تو وہ کمالات کیوں نہیں بیان کئے جاتے جن کی بدولت سلطنت وخلافت سے پہلے وہ عامّہ صحابہ میں ممتاز تھے۔

حضرت عمرؓ کا حال

اور جن کمالات کو تم بیان کرتے ہو جنکا وقوع بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہوا۔ ان کی وقعت تو ان حضرات کی نظر میں اتنی تھی کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے فرمایا کہ کیا تم اس پر بھی راضی ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو اعمال ہم نے کئے ہیں حق تعالیٰ ان پر تو ہم کو ثواب دیدیں اور جو اعمال حضور کے بعد کئے ہیں ان میں برابر سرابر چھوڑ دیں کہ نہ گناہ ہو نہ ثواب ہو۔ حضرت

ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا کہ ہم نے حضور کے بعد بھی بہت کام کئے ہیں جہاد کئے اور بہت سے ملک فتح کئے ہزاروں لاکھوں آدمی ہمارے ہاتھ پر ایمان لائے اور نماز روزہ وحج وغیرہ جو کیا وہ الگ رہا ہمیں حق تعالیٰ سے ان اعمال پر بھی ثواب کی امید ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بھائی تم کو اُمید ہوگی باقی میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور کے سامنے جو اعمال ہم نے کئے ہیں ان پر ثواب مل جائے اور باقی اعمال میں برابر سرابر چھوٹ جائیں جو آپ کے بعد ہم نے کئے ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ نے جس قدر فتوحات اور سلطنت ولشکر کا انتظام کیا ہے وہ سب حضور کے بعد کیا ہے تو یہ ایسے کارنامے ہیں جن کی وہ حضرات خود قدر نہ کرتے تھے مگر آجکل ان کو ان حضرات کے روشن کارنامے ظاہر کئے جاتے ہیں اور جن کارناموں کو وہ خود اپنے روشن کارنامے سمجھتے تھے ان کا کہیں ذکر اور پتہ ہی نہیں۔

صحابہؓ کے کمالات

ان حضرات کے اصلی کمالات یہ ہیں کہ اُن کو حق تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت درجہ محبت تھی اور اخلاص وتوحید میں کامل تھے خدا کے سوا کسی سے ان کو خوف وطمع نہ تھا کسی کام میں نفسانیت نہ تھی عبادت میں کسی وقت غفلت نہ ہوتی تھی نہ زراعت اس سے مانع تھی نہ تجارت اور یہ سب حضور کی رؤیت وصحبت کا فیض تھا یہی ان حضرات کے کمالات ہیں جن کی بنا پر ایک بزرگ نے (غالباً یہ بزرگ حضرت غوث الاعظمؒ ہیں) فرمایا ہے کہ حضرت معاویہؓ وعمر بن عبدالعزیز میں اتنا فرق ہے کہ حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں جو گرد بیٹھ کر جم گئی ہو وہ ہزار عمر بن عبدالعزیز جیسوں سے افضل ہے کیوں؟ اس واسطے کہ عمر بن عبدالعزیز وہ آنکھیں کہاں سے لائیں گے جن سے حضرت معاویہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور وہ زمانہ کہاں سے لائیں گے جس میں وہ حضور ﷺ کے ساتھ رہے اور آپ کے پاس اُٹھے بیٹھے ہیں حضرات صحابہؓ کے یہ کمالات ایسے ہیں کہ ان میں کوئی عمر ثانی تو کیا عمر صدم وعمر ہزارم (۱) بھی نہیں ہوسکتا۔ رہا عدل وانتظام سلطنت سو اس میں اگر کوئی حضرت عمر کے برابر ہوجائے یا بڑھ

(۱) عمر کا سوال اور ہزاروں بھی نہیں ہوسکتا۔

جائے تو کیا دشوار ہے کیونکہ اس وقت انتظام ممالک کے لیے وہ سامان موجود نہ تھے جو آجکل ریل اور تار سے مہیا ہو گئے ہیں تو فقط بادشاہ عادل ہونا حضرت عمرؓ کا اصلی کمال نہیں یہ تو ایسا کمال ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے وفات کے ۱۵ برس کے بعد حضرت عمر کو خواب میں دیکھا کہ پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے آرہے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا کہ اے امیر المومنین آپ کا کیا حال ہے فرمایا کہ مرنے کے بعد سے ابتک سلطنت کے حساب وکتاب میں مشغول تھا آج چھٹکارا ہوا ہے اور اگر حق تعالیٰ کی رحمت نہ ہوتی تو عمر ہلاک ہو گیا ہوتا تو کیا یہ کمالات ایسے ہیں، جن کو سیرتِ فاروق میں اصل بنایا جائے ہرگز نہیں۔

حقیقی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں مقدم احوال بعثت ہیں یعنی کمالات نبوت باقی کمالات سلطنت یا کمالات طفولیت کا مرتبہ میں ہے مگر اب مولود خوانوں کی حالت یہ ہے کہ مولود میں سوائے حالات طفولیت کے کچھ بھی نہیں ہوتا بلکہ جس مولود میں حالات طفولیت (۱) اور ولادت نہ ہوں اس کو مولود اور ذکر رسول ہی نہیں سمجھتے حالانکہ آپ کا ہر ذکر ذکر رسول ہی ہے ولادت ہی کی کیا تخصیص ہے مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب سے کسی نے کہا کہ حضرت آپ مولود نہیں کرتے فرمایا ہم تو ہر دم مولود کرتے ہیں کیونکہ ہر وقت لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتے ہیں جس میں حضور کا ذکر ہے بس یہی مولود ہے اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو محمد رسول اللہ کیونکر کہتے۔ ایک دفعہ کسی اور شخص نے درخواست کی کہ حضرت مولود سننے کو جی چاہتا ہے فرمایا لو ہم ابھی سناتے ہیں یہ کہہ کر کھڑے ہوئے اور نہایت مزے سے یہ شعر پڑھا۔

تر ہوئی باران سے سوکھی زمین یعنی آئے رحمۃ للعالمین

مولانا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ محبت تھی حضور کا ذکر بڑے مزے سے کرتے تھے۔ فرمایا لو مولود ہو گیا۔ نہ مجمع اکٹھا کیا نہ مٹھائی تقسیم کی نہ چوکی پر کھڑے ہوئے مگر آجکل تو یہ باتیں مولود کی لوازم سے ہیں بدون ان کے مولود ہی نہیں

(۱) بچپن کے حالات۔

ہوسکتا چاہے کتنا ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرلو۔

حکایت

چوکی پر ایک حکایت یاد آئی، مولوی عبداللہ صاحب انصاری ساکن انبہٹہ ایک زمانہ میں گلاؤٹھی ضلع میرٹھ میں مدرس تھے اُن کے پاس انبہٹہ کے ایک بھولے بھالے واعظ مولوی صاحب پہنچے اور اُن سے کہا کہ تم یہاں کے رئیسوں سے میری تعریف کردو اور میرا وعظ کہلادو تو شاید وہ لوگ کچھ میری خدمت کردیں آجکل میں ضرورت مند ہوں انہوں نے رئیسوں میں ان کی تعریف کردی کہ یہ بڑے فاضل مولوی ہیں وعظ بھی اچھا کہتے ہیں لوگوں نے وعظ کا اشتیاق ظاہر کیا اور وعظ کا انتظام کیا گیا۔ مولوی عبداللہ صاحب نے ان کو بہت سمجھایا کہ دیکھو وعظ میں واہی تباہی حکایتیں اور موضوع روایتیں بیان نہ کرنا ور قصباتیوں کی طرح الفاظ غیر مشدّدہ کو مشدّد نہ بولنا کہیں تم میری ساری تعریف کو غلط کردو اور مجھے شرمندہ کرو کہا میں ایسا بیوقوف تھوڑا ہی ہوں۔ غرض وقت آیا اور وعظ کی مجلس میں لوگ جمع ہوئے اور مولوی صاحب ایک جبہ اور بڑا سا عمامہ پہن کر تشریف لائے۔ کیونکہ جن میں اصلی کمالات نہیں ہوتے وہ ایسے ہی عوارض سے اپنی شان بناتے ہیں۔ جب وہ مجلس میں پہنچے تو اوّل تو لوگ ان کی صورت ہی کو دیکھ کر حیران ہوئے کہ ان کو اس قدر بناوٹ کی کیا ضرورت تھی پھر دوسری حرکت یہ کی کہ وہاں واعظ کے بیٹھنے کو چوکی نہیں بچھائی گئی تھی بلکہ قالین کا انتظام تھا تو آپ نے وہاں پہنچتے ہی فرمایا اور چوکی (تبشد ید کاف) تو ہے نہیں۔ لوگ اس تلفظ پر بھی حیران ہوئے اور مولوی عبداللہ صاحب کو فکر ہوئی کہ اللہ خیر کرے (یہ تو بسم اللہ ہی غلط ہوئی ۱۲) مولوی عبداللہ صاحب نے کہا کہ حضرت مجمع کم ہے اس لیے چوکی کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تو آپ فرماتے ہیں نہیں شوق تو چوکی ہی پر ڈھوکیں گے (تبشد ید شین ہر دو کاف) ان الفاظ کا مطلب کوئی بھی نہ سمجھا اور سب ایک دوسرے کے منہ کو تکنے لگے اور مولوی عبداللہ صاحب انصاری کا تو رنگ فق ہوگیا کہ آج انہوں نے مجھے شرمندہ کیا غرض چوکی لائی گئی

تب نوشہ صاحب نے وعظ کہا اور وعظ میں یوں ہی نور برسایا۔ تو مولانا فضل الرحمن صاحب نے چوکی نہیں منگوائی اُسی جگہ کھڑے کھڑے فرمایا:

ذکر میلاد کی ضرورت وطریقہ

تر ہوئی باران سے سوکھی زمین یعنی آئے رحمۃ للعالمین

یہ بتلادیا کہ ہم ذکر وولادت کے منکر نہیں بلکہ ان تخصیصات وقیودات کے منکر ہیں مولانا فضل الرحمن صاحب نے ایک غیر مقلد مولوی کو بھی عجیب جواب دیا وہ مولود کے بالکل منکر تھے اور کہتے تھے کہ ذکر ولادت کی کیا ضرورت ہے فرمایا بھائی ہاں نہ معلوم اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ قرآن میں کیوں بیان فرمایا ہے اس کی کیا ضرورت تھی اس پر وہ مولوی صاحب چپ رہ گئے اور جواب نہ بن پڑا۔ مولانا نے اس جواب میں بتلادیا کہ نفسِ ذکر میلاد میں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ منکرات وقیود میں قباحت ہے۔ پس اہل مولود اگر ایسا ہی کریں کہ ان قیود وتخصیصات کا التزام نہ کیا کریں اور ذکر ولادت کے بھی پابند نہ ہوں بلکہ کبھی احکام کبھی معجزات کا بھی ذکر کیا کریں تو اچھا ہو میں آجکل نوازل کی وجہ سے صبح کی نماز میں قنوت پڑھتا ہوں مگر بعض دفعہ نہیں پڑھتا کیونکہ حنفیہ کے نزدیک قنوت صبح کی نماز میں سنت دائمہ نہیں ہاں شافعیہ کے یہاں سنت دائمہ ہے تو حنفی کو گاہے گاہے ترک کردینا چاہیئے تاکہ التزام نہ ہوجائے شاید مقتدی کسی دن میری قنوت نہ پڑھنے سے یہ سمجھتے ہوں کہ آج پیشاب کا تقاضا زیادہ ہوگا جو قنوت نہیں پڑھی مگر اس ترک کی یہ وجہ نہیں بلکہ وجہ وہ ہے جو میں نے ابھی عرض کی لیکن اس کے بعد بھی میں اپنے دوستوں کو ایک مشورہ دیتا ہوں کہ اگر اتفاق سے وہ کسی ایسے مولود میں پھنس جائیں جہاں قیام ہوتا ہو تو یہ اُس مجلس میں مجمع کی مخالفت نہ کریں بلکہ قیام کریں کیونکہ ایسے مجمع میں ایک دو کا قیام نہ کرنا موجب فساد ہے ہاں جہاں ہر طرح اپنا اختیار ہو وہاں تمام قیود کو حذف کردیا جائے کیونکہ ایسے موقعہ میں خاموش رہنا گناہ ہے۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است اگر خاموش بنشینم گناہ است(۱)

(۱) ''اگر دیکھو کہ نابینا کے آگے کنواں ہے تو اس وقت خاموش رہنا گناہ ہے''۔

حضرت تھانویؒ کی محفل میلاد

ایک دفعہ میں کانپور میں تھا وہاں جمعہ میں میرا بیان ہوا اُس کے بعد ایک رئیس نے شب کے وقت مولود کی درخواست کی میں نے اول تو انکار کیا اور تعب کا عذر کر دیا پھر اُن رئیس سے کسی نے کہا کہ یہ لوگ اس عمل کو پسند نہیں کرتے اُس نے کہا کیا وجہ ہے۔ اُس نے جوابدیا کہ بعضے طریقے ان کو پسند نہیں۔ مولود کے تو منکر نہیں جو اہلِ بدعت نے ایجاد کر رکھی ہیں جیسے قیام وغیرہ اس پر وہ رئیس بولے تو پھر طریقہ سے جس مولود کو جائز سمجھتے ہوں اُسی طرح بیان کر دیں اور مجھ سے بھی درخواست کی میں خوش ہوا اور بیان کا وعدہ کرلیا اور یہ شرط کرلی کہ میرے بغیر پوچھے کوئی کام نہ کیا جائے انہوں نے بخوشی اس کو منظور کیا اب میں نے سوچا کہ روایات وقیام تو میرے قبضہ میں ہیں احتیاط کرلوں گا لیکن مٹھائی کا کیا انتظام ہو کیونکہ مٹھائی وہ پہلے ہی منگا چکے تھے اُس کا انتظام یہ کیا کہ ان کی رضامندی سے اُس کو ایک کوٹھڑی میں مقفل کرا کر کنجی اپنے پاس منگالی کہ جب میں کہوں اس وقت تقسیم کی جائے چنانچہ بیان ہوا اور میں نے قیام نہیں کیا اور نہ وہ موضوع اور ضعیف روایتیں بیان کیں جو اہل مولود بیان کرتے ہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے عالم میں جو انوار پھیلے اور مخلوق کی جو اصلاح ہوئی اس کو بیان کیا جب بیان ختم ہوا۔ بدون مٹھائی لئے ہوئے چلے گئے اگلے دن میں نے مٹھائی کی کنجی بھیجدی اور اُن رئیس صاحب سے کہلا بھیجا کہ رات مجلس میں جو لوگ آپ کے ملنے والے آئے تھے جن کو پہچانتے ہوں ان کے گھروں پر کچھ مٹھائی بھیجدیں باقی غرباء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کی نیت سے تقسیم کر دیں اس پر رئیس صاحب نے کہا کہ جو لوگ میرے جاننے والے رات آئے تھے وہ سب خوشحال ہیں اس مٹھائی کے وہ محتاج نہیں میری رائے تو یہ ہے کہ سب غرباء ہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کے ایصال ثواب کے لیے دیدوں میں نے کہا یہ تو سب سے اچھا چنانچہ ایسا ہی ہوا حتی کہ میرا حصہ بھی نہیں آیا مجھے اس مولد میں خاص نور معلوم ہوتا تھا بہرحال یہ تحقیق ہے اس

مبحث کی اور اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ہم لوگ مولود کے منکر نہیں بلکہ ان تخصیصات وقیود کے منکر ہیں ۔ اے صاحبو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ کے ذکر کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے پوچھ لو جیسے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی وقت خدانخواستہ کفار کسی نبی کو گرفتار کرلیں اور اُن کو تُرس (ترس یعنی ڈھال) بنالیں اور کفار پر حملہ کرنے سے نبی کی ایذاء کا اندیشہ ہو تو اُس وقت کیا کیا جائے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ اس وقت اُن نبی ہی سے دریافت کیا جائے کہ حضرت اس حالت میں ہم کو کیا حکم ہے۔ حملہ کریں یا نہ کریں جو وہ کہیں اس پر عمل کرو۔ اسی طرح ذکر مولد میں جو اختلاف ہے تو اس کا فیصلہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے کرانا چاہئیے شاید تم کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کہاں۔ تو میں کہتا ہوں کہ جیسے حق تعالیٰ کی ایک خاص تجلی جو فیصلہ کا مدار ہے عالم میں موجود ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایسی ہی ایک تجلی عالم میں موجود ہے۔

تجلی حق کے عالم میں موجودگی کی تمثیل

حق تعالیٰ کی تجلی عالم میں کس طرح ہے اس کو ایک حکایت سے سمجھ لیجئے۔

ایک دفعہ شاہ ایران کے ذہن میں ایک بے معنی مصرع موزوں ہوگیا۔

دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود(۱)

کہ جتکبرا موتی کسی نے کم دیکھا ہوگا مگر دوسرا مصرع نہ بنا تمام شعراء بلائے گئے مگر کسی سے اِس سہل مصرع پر مصرع نہ لگا تو شاہ ایران نے شاہ دہلی کو لکھ کر بھیجا کہ وہاں کے شعراء سے اِس مصرع پر مصرع لگوائیں بادشاہ نے شعراء کو حکم سنادیا کہ اس مصرع کو پورا کرو یہاں بھی سب حیران ہوگئے بادشاہ کی بہن زیب النساء بھی فارسی کی عمدہ شاعرہ تھی اس کو بھی اس مصرع کی خبر لگی اور اُسے بھی اس کے پورا کرنے کا خیال ہوا کئی دن گزر گئے مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا ایک دن صبح کو وہ سرمہ لگا رہی تھی سرمہ کچھ آنکھ میں لگا تو اُس سے ایک آنسو ٹپکا جس میں آنسو کی سفیدی اور سُرمہ کی سیاہی ملی ہوئی تھی فوراً اُس کا

(۱) ''جتکبرا موتی کسی نے کم ہی دیکھا ہوگا''۔

ذہن شاہ ایران کے مصرع کی طرف منتقل ہوا اور دوسرا مصرع موزوں ہو گیا یعنی

درِ ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشکِ بتانِ سرمہ آلود (۱)

اور اس موزونی سے بہت خوش ہوئی اور بادشاہ کے پاس یہ شعر لکھ کر بھیجدیا کہ شاہ ایران کا مصرع پورا ہو گیا شاہ دہلی بھی خوش ہوا کہ جو مصرع ایران کے شعراء سے پورا نہ ہو سکا وہ ہندوستان کی شاعرہ نے پورا کر دیا اس نے ایران لکھ بھیجا مگر شاعر کا پتہ نہیں لکھا وہاں کے تمام شعراء جمع ہوئے اور ان کے سامنے یہ مصرع زیب النساء کا پڑھا گیا تو سب دنگ رہ گئے اور اس کی ذہانت پر تعجب کرنے لگے اور بادشاہ سے درخواست کی کہ اس شاعر کو ایران بلایا جائے ہم سب اس کی شاگردی کریں گے شاہ ایران نے اس مصرع کی موزونیت پر شاعر کے لیے انعام وخلعت بھی بھیجا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اِس شاعر کو ایران بھیج دیا جائے بادشاہ دہلی یہ خط لیکر اپنی بہن کے پاس آئے کہ اور شاعر بن۔ اب تیری طلبی ایران سے آئی ہے۔ بتلا کیا جواب دوں اُس نے کہا آپ اس کے جواب میں میرا ہی ایک شعر لکھ بھیجے کہ اُس شاعر نے یہ جواب دیا ہے۔

درسخن مخفی منم چوں بوئے گُل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا (۲)

اور مخفی اس کا تخلص ہے۔ اس جواب سے لوگ سمجھ گئے کہ شاعر عورت ہے۔ غرض زیب النساء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں اپنے کلام میں متجلی ہوں جس کو مجھے دیکھنے کا شوق ہو وہ مجھے میرے کلام میں دیکھ لے تو حق تعالیٰ کو تو سب سے زیادہ حق ہے اس دعوے کا کہ ہمارے کلام میں ہماری تجلی موجود ہے۔ جب ایک مخلوق کا کلام اُس کے لیے مرأۃ (۳) بن سکتا ہے تو کلامِ حق مرأۃِ حق (۴) نہ ہوگا ضرور ہوگا۔ اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

(۱) ''چتکبرا موتی کسی نے کم ہی دیکھا ہوگا۔ صرف سرمہ لگانے والے محبوب کے آنسو ایسے ہو سکتے ہیں''
(۲) ''میں شعر وسخن میں اس طرح مخفی ہوں جیسے بوئے گل برگ گل میں جو مجھے دیکھنا چاہے وہ شعر وسخن ہی میں دیکھے'' (۳) آئینہ (۴) حق کا آئینہ۔

چیست قرآن اے کلامِ حق شناس رو نمائے رب ناس آمد بناس
حرف حرفش راست در بر معنی معنئ در معنئ در معنئ(۱)

ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر نظر نہیں آتے تو کیا ہوا آپ بھی اپنے کلام کے ذریعہ سے عالم میں متجلی ہیں مگر فرق اتنا ہی کہ حق تعالیٰ تو دنیا میں مستور ہی رہیں گے کسی کی مجال نہیں کہ دنیا میں اُن کو دیکھ سکے اور حضور ﷺ کو دنیا میں بھی بہت سوں نے دیکھا ہے۔ غرض حضور ﷺ کو اِس کہنے کا حق ہے

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل(۲)

احادیث نبویہ میں حضور ﷺ کی ذات جلوہ گر ہے

اور وہ کلام حضور ﷺ کا کون ہے جس میں آپ متجلی ہیں وہ احادیث نبویہ ﷺ ہیں جو بروایات ثقات ہم تک پہنچی ہیں۔ غرض اس طرح حضور ﷺ عالم میں اب بھی موجود ہیں اور یہی تو وہ بات ہے جس سے عارفین اپنے خصوم کے مقابلہ میں ہمیشہ جیتے ہیں۔

---

(۱) ''اے حق بات کے سمجھنے والے تو سمجھتا بھی ہے کہ قرآن کیا چیز ہے انسانوں کے پاس انسانوں کے رب کی شان دکھانے والا ہے۔ اس کے حرفوں میں بہت سے معنی پوشیدہ ہیں کہ ان حروف کے جو معنی ہیں ان معنی میں مزید معنی پنہاں ہیں اور ان معنی میں پھر مزید معنی پنہاں ہیں۔ اس کی مثال ''وامہاتکم التی ارضعنکم'' (تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے) ہے الفاظ رضاعی ماں کی حرمت بیان کرتے ہیں۔ ماں کی حرمت کے ساتھ اس کے اس شوہر کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے جو اس دودھ کا سبب بنا پھر وہ تمام رشتے اس دودھ پینے کے سبب حرام ہوئے۔ جو نسب میں حرام ہوتے ہیں یحرم من الرضاعۃ مایحرم من النسب۔ پھر رضاعۃ کا معنی ہے عورت کا پستان کو بچے کے منہ میں دینا اور بچہ کا اس کو چوسنا۔ یہ معلوم ہونا مشکل ہے کہ دودھ پیا کہ نہیں تو اس پستان کو منہ میں لینے ہی کو دودھ پینے کا قائم مقام قرار دیں گے جیسے خلوت صحیحہ کو صحبت کا قائم مقام کرتے ہیں۔ پس قرآن کا سمجھنا فقہاء ہی کا کام ہے''۔ (خلیل) (۲) ''میں اپنے کلام میں اس طرح مخفی اور پوشیدہ ہوں جس طرح پھول کی خوشبو پھول کے پتہ میں چھپی ہوئی ہوتی ہے''۔

مولانا محمد اسمٰعیل شہید

چنانچہ مولانا محمد اسمٰعیلؒ صاحب شہید دہلوی نے جب بدعات سے منع کرنا شروع کیا اور بیوی کی صحنک (۱) سے عورتوں کو روکا تو اس کی خبر شاہِ دہلی کی خالہ یا پھوپھی کو پہنچی جو بڑی بوڑھی عورت تھیں اور شاہی خاندان میں سب پر حاوی تھی۔ غالباً زمانہ اکبر شاہ ثانی کا تھا اور گو اس وقت شاہ دہلی کی حکومت دہلی سے باہر بہت کم تھی مگر تاہم بادشاہت کا رعب باقی تھا تو ان بڑی بی نے مولانا شہید کو بلوا بھیجا مولانا بادشاہ کے محلات میں بلائے ہوئے چلے جایا کرتے تھے ان حضرات کا یہ رنگ نہ تھا کہ امراوسلاطین سے اینٹھ مروڑ کریں بلکہ دین کی عزت باقی رکھ کر سب سے ملتے تھے اور خاص کر مولانا شہید تو امر بالمعروف کے لیے ہر جگہ پہنچ جاتے تھے چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور پردہ کرا کر مولانا کو اندر بلالیا گیا مولانا نے بڑی بی کو ادب سے سلام کیا اور انہوں نے پرانی بوڑھیوں کے دستور کے موافق سلام کا جواب دیا اور دعا بھی دی کہ عمر دراز ہو۔ اقبال میں ترقی ہو اس کے بعد مولانا نے دریافت کیا کہ مجھ کو کس لیے یاد فرمایا، بڑی بی نے کہا اسمٰعیل میں نے سنا ہے کہ تو بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کسی نے غلط کہا اماں میں منع نہیں کرتا بلکہ بی بی کے ابا جان منع کرتے ہیں۔ پوچھا یہ کیسے فرمایا سنئے اور یہ کہہ کر مولانا نے خطبہ پڑھا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ الخ اور اس کے بعد

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۚ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (۲) کا یا حدیث کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

(۱) ''حضرت فاطمہ کی نیاز کے کھانے سے روکا'' (۲) ''اور (وہ اپنے خیال باطل پر یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ (مخصوص) مواشی ہیں اور (مخصوص) کھیت ہیں جن کا استعمال ہر شخص کو جائز نہیں ان کو کوئی نہیں کھا سکتا سوان کے جن کو ہم چاہیں (ف ۱) اور (کہتے ہیں کہ یہ مخصوص) مواشی ہیں جن پر سواری یا بار برداری حرام کردی گئی ہے (ف ۲) اور (مخصوص) مواشی ہیں جن پر یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے (یہ سب باتیں) محض اللہ پر افترا باندھنے کے طور پر (کہتے) ہیں (ف ۳) ابھی اللہ تعالیٰ انکو ان کے افترا کی سزا دئے دیتا ہے''۔ سورۃ الانعام: ۱۳۸۔

کا بیان شروع کیا اور یہ بات تو مولانا کی خصوصیات میں سے تھی کہ ہر وعظ میں سے لوگ توبہ کر کے اُٹھتے تھے نہ معلوم کیا ستم تھا بس بات یہ تھی کہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ اُن کو امّت کے ساتھ شفقت بے حد تھی وہ دل سے چاہتے تھے کہ مخلوق کی اصلاح ہو ہی جائے اُسی کا یہ اثر تھا کہ ہر وعظ میں لوگ تائب ہو کر اُٹھتے تھے۔

سامعین پر وعظ کا اثر

ایک مرتبہ آپ نے وعظ بیان فرمایا تو ایک ہجڑا بھی اُس میں موجود تھا۔ جس کے ہاتھ مہندی سے رنگے ہوئے تھے اور کنگن چوڑیاں چھلّے پہنے ہوئے تھا بیان کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ سب چوڑیاں اور کنگن ہاتھ سے نکال پھینکے اور مہندی چھڑانے کے لیے پتھر پر ہاتھوں کو رگڑنے لگا اور اس قدر رگڑا کہ خون نکلنے لگا مولانا نے فرمایا کہ جتنا اثر زائل نہ ہو سکے وہ معاف ہے بس اب زیادہ نہ رگڑ واُس نے کہا مولانا بس اب خاموش رہیئے یہ ہاتھ اسی قابل ہیں کہ لہولہان ہو کر کٹ جائیں اور بیساختہ اس کی ہچکی بندھ گئی۔

ایک اور ایسا ہی قصہ مولانا کا ہے کہ ایک دفعہ بہت رات گئے مدرسہ سے تنہا نکلے اس وقت چھوٹے میاں مولانا محمد یعقوب صاحب بیدار تھے ان کو فکر ہوئی کہ مولانا اس وقت تنہا کہاں چلے پھر حفاظت کے خیال سے پیچھے پیچھے اِس طرح ساتھ ہو لئے کہ مولانا کو خبر نہ ہو اب دیکھا کہ مولانا نے چکلے کی طرف رُخ کیا ہے ان کو حیرت ہوئی کہ ادھر کیا کام ہے پھر دیکھا کہ دہلی کی ایک مشہور رنڈی مینا کے مکان پر ٹھہر کر مولانا نے فقیروں کی طرح ایک صدا لگائی اُس رات اس رنڈی کے یہاں کچھ تقریب تھی شہر کی ساری رنڈیاں وہاں جمع تھیں اور باہر کی رنڈیاں بھی آئی ہوئی تھیں مولانا کی آواز سن کر گھر والے یہ سمجھے کہ کوئی فقیر ہے رنڈی نے اپنی ماما سے کہا کہ اس کو کچھ پیسے دیدے وہ پیسے لیکر باہر آئی اور مولانا کو دینے لگی مولانا نے فرمایا کہ اپنی بی بی سے جا کر کہو کہ فقیر کہتا ہے کہ میں ایک صدا کہا کرتا ہوں بغیر صدا سنائے کچھ نہیں لیا کرتا اُس نے جا کر پیام پہنچایا چونکہ تقریب کا موقعہ تھا اُس نے کہا اچھا فقیر سے کہدو کہ اندر آ کر صدا سنائے کچھ دیر اسی کا لطف

رہے گا۔ مولانا اندر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھ کر بیان شروع کیا اور زنا کی مذمت اور زنا کاروں کی وعید بیان کی اس کا ایسا اثر ہوا کہ تمام رنڈیاں روتے روتے بیتاب ہوگئیں اور جب بیان ختم ہوا تو سب قدموں میں گر پڑیں کہ ہم کو توبہ کرایئے اور ہمارا نکاح کر دیجئے آپ نے وہیں بیٹھے بیٹھے ان کے آشناؤں سے ان کے نکاح کر دیئے اور لوٹ کر مدرسہ کی طرف چلے اس وقت مولانا محمد یعقوب صاحب سامنے آئے اور کہا صاحبزادے تم نے اپنے کو کیسا ذلیل کر دیا فرمایا کیسی ذلّت ! کہا صاحبزادے تم اس خاندان کے چراغ ہو جس کے سلامی بادشاہ رہے ہیں اور آج تم رنڈیوں کے مکانوں پر مارے مارے پھرتے ہو مولانا نے فرمایا حضرت کیا آپ اس کو ذلت سمجھتے ہیں واللہ میں تو اپنی عزت اس دن سمجھوں گا جبکہ دہلی والے میرا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے میرے سر پر جوتے مارتے ہوں اور یوں کہتے ہوں کہ یہ فاسق ہے بے دین ہے اور میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے: قَالَ اللّٰہُ کُذَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَذا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب کہتے ہیں کہ اس وقت میری آنکھیں کھلیں اور مجھے اپنی بات پر بڑی ندامت ہوئی کہ میں نے یہ کیا کہا اور اُس ندامت میں کئی روز تک آنکھیں سامنے نہ کر سکا۔ غرض مولانا کے بیان میں یہ خاص بات تھی کہ سامعین متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے چنانچہ محل شاہی میں بھی بیان کا یہی اثر ہوا اور وہ بڑی بی تائب ہوئیں اور کہا بیٹا اسمٰعیل ہم تو بی بی کے ابا جان ہی کے خوش کرنے کو صحنک کرتے تھے اور جب وہی اس سے ناخوش ہیں تو آج سے ہم کبھی نہ کریں گے تو مولانا کا یہ فرمانا کہ بی بی کے ابا جان منع فرماتے ہیں اسی بنا پر تو تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی بواسطہ اپنے کلام کے عالم میں متجلی ہیں۔

طریقہ میلاد بزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تو اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ولادت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے پوچھ کر کرو احادیث میں غور کرو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ولادت اور طفولیت کے احوال کب اور کس قدر بیان

فرمائے ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ نے زیادہ تر احکام کا ذکر فرمایا ہے۔ ولادت وطفولیت کا ذکر بہت ہی کم ملے گا۔ ہاں بعض صحابہ یا صحابیات نے اسلام کے بعد کچھ واقعات آپ کی طفولیت وولادت کے بیان فرمائے ہیں تو یہی طریقہ ہم کو اختیار کرنا چاہئے زیادہ ذکر احکام کریں اور کبھی کبھی ولادت وطفولیت کا بھی ذکر کردیا کریں یہ نہیں کہ اس کے بغیر ذکر رسول ﷺ معتبر ہی نہ ہو یہ غلو فی الدین ہے اس تقریر سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ اگر محقق سے ذکر مولد کا حکم دریافت کروگے تو وہ مطلقاً منع نہ کریگا بلکہ کچھ تم کو وسعت بھی دیگا مگر جس مرکز پر تم اب ہو اُس سے ضرور ہٹائیگا چنانچہ حضور کے ذکر کا ایک طریقہ اس آیت میں بھی مذکور ہے جس کو میں نے اس وقت تلاوت کے لیے اختیار کیا ہے وہ آیت یہ ہے۔ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ يَهْدِى بِهِ ٱللَّهُ مَنِ ٱتَّبَعَ رِضْوَٰنَهُۥ سُبُلَ ٱلسَّلَٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذْنِهِۦ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۱)۔

تفسیر آیت

بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور اور کتاب آئی ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو اس کی رضامندی کا اتباع کرتے ہیں سلامتی کے راستے بتلاتے ہیں اور اپنی مشیت سے ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالتے اور سیدھے راستے کی ہدایت کرتے ہیں۔ اِس آیت کی دو تفسیریں ہیں جن کی طرف پہلے بھی اشارہ ہو چکا ہے۔ اس میں بعض نے نور بھی قرآن ہی مراد لیا ہے اور ان کے پاس وجہ ترجیح یہ ہے کہ آگے يَهْدِى بِهِ ٱللَّهُ میں ضمیر واحد ہے اگر نور سے مراد حضور ﷺ

(۱) ''تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہیں اور ایک کتاب واضح (یعنی قرآن مجید)۔ کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں اور ان کو راہ راست پر قائم رکھتے ہیں'' سورۃ المائدہ: ۱۵۔۱۶۔

اور کتاب سے مراد قرآن تو یَهۡدِیۡ بِهِمَا اللّٰهُ بصیغہ تثنیہ ہوتا گو دوسرے حضرات یہ جواب دے سکتے ہیں کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن باہم دیگر متلازم ہیں اس لیے ان میں سے ایک کی ضمیر میں لزوماً دوسرے کا ذکر بھی ہوگیا۔ دوسرے مفسرین یہ کہتے ہیں کہ نور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اُن کی وجہ ترجیح یہ ہے کہ یہاں نور کی طرف جاء کی اسناد کی گئی ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ مجی کے اسناد ذوی العقول کی طرف ہو چنانچہ اسی بناء پر دوسری ایک آیت یَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدۡ جَآءَكُم بُرۡهَٰنٞ مِّن رَّبِّكُمۡ وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكُمۡ نُورٗا مُّبِينٗا (۱) میں بھی ان مفسرین نے کہا ہے کہ بُرۡهَٰنٞ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور نور سے مراد قرآن ہے کیونکہ انزال کی اسناد میں اصل یہ ہے کہ کتاب کی طرف ہو اور اس سے معلوم ہوا کہ نور قرآن کی بھی صفت ہے اور حضور کی بھی اسی طرح برہان قرآن کی بھی صفت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی۔ بہر حال یہ وجوہ ترجیحات ہیں ہر قول کی گوان میں یہ احتمال باقی ہے کہ بعض جگہ اسناد مجی قرآن کی طرف ہے جیسے قَدۡ جَآءَكُمُ ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّكُمۡ میں اور بعض جگہ انزال کی اسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جیسے قَدۡ أَنزَلَ ٱللَّهُ إِلَيۡكُمۡ ذِكۡرٗا رَّسُولٗا يَتۡلُواْ عَلَيۡكُمۡ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ مُبَيِّنَٰتٖ لِّيُخۡرِجَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ مِنَ ٱلظُّلُمَٰتِ ۔ میں اور اس کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ یہ اسناد مجازی ہے اور اصل وہی ہے کہ اسناد مجیٔ کی حضور ﷺ کی طرف ہوا اور اسناد انزال قرآن کی طرف اب اس اصل کو کسی قرینہ صارفہ کی وجہ سے چھوڑا جاسکتا ہے جو اس جگہ موجود نہیں تو گو تفسیریں سب صحیح ہیں مگر جی یہ چاہتا ہے کہ نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں لیکن میں اس پر زور نہیں دیتا(۲) کیونکہ ہر قول کی طرف مفسرین کی ایک جماعت ہے اور ہر ایک کے

(۱) ''اے لوگو یقیناً تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمھارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے'' سورۃ النساء: ۱۷۴ (۲) یہاں تک پہونچ کر عصر کی اذان ہوگئی اور حضرت نے فرمایا او ہو وقت بہت گزر گیا اور مضمون ابھی بہت باقی ہے مگر میں مختصراً بیان کر کے ختم کردوں گا اذان کے بعد سب صاحب بیٹھے رہیں ۱۲ جامع۔

پاس وجوہ ترجیح ہیں مگر اس جگہ میرے ذوق میں ترجیح اُن حضرات کے قول کو ہے جو نور سے حضور کو مراد لیتے ہیں مگر اس پر زور دینے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ ہمارا مطلب ہر طرح حاصل ہے خواہ حضور نور کے مصداق ہیں یا قرآن ۔ ہر ایک کا نور ہونا دوسرے کے نور ہونے کو مستلزم ہے میں پھر وہی کہوں گا۔

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف گر بکشد زہے طرب ورنہ بکشم زہے شرف (۱)

اور یوں کہوں گا

عِبَارَتُنَا شَتّٰی وَ حُسْنَكَ وَاحِدٌ وَ كُلٌّ اِلٰی ذَاكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ (۲)

اور جو حضور بھی نور ہیں اور قرآن بھی نور ہے تو اب ہمارے پاس نورٌ علیٰ نور ہے جیسا کہا گیا ہے۔

نبی خود نور اور قرآں ملا نور نہ ہو پھر مل کے کیوں نورٌ علیٰ نور

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن

اس حالت میں ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہم کو حضور سے محبت زیادہ ہے یا قرآن سے ہر ایک کی محبت دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے ۔ ہم کو تو حضور سے بھی تعلق محبت کا ہے اور قرآن سے بھی۔ وہ اپنی طرف کھینچتے ہیں وہ اپنی طرف۔ بس ہمارا تو وہ حال ہے کہ لعل سے کسی نے پوچھا کہ تو اپنے کو چاہتا ہے یا آفتاب کو کہا کچھ نہ پوچھو اگر میں یہ کہوں کہ مجھے اپنے سے محبت ہے تو وہ بھی آفتاب ہی کی محبت ہے۔ کیونکہ میرے اندر جو کچھ نور اور رونق ہے سب اُسی کی بدولت ہے اور اگر کہوں کہ آفتاب سے محبت ہے تو یہ بھی اپنے ہی ساتھ محبت ہے کیونکہ آفتاب سے اسی لیے محبت ہے کہ اُس نے مجھ کو لعل بنا دیا تو وہ اپنی ہی محبت ہوئی۔ تو بعض جگہ دونوں طرف سے تلازم ہوتا ہے وہاں ہر ایک کی محبت دوسرے کی محبت کو مستلزم ہوتی ہے اس پر کسی عاشق کا شعر یاد آتا ہے واقعی

(۱) ''اگر قسمت میری یاوری کرے تو میں اس کا دامن پکڑ لوں اگر وہ مجھے کھینچ لے تو زہے نصیب اور اگر میں اسے کھینچ لوں تو زہے نصیب'' (۲) ''ہماری عبارتیں مختلف ہیں تیرا حسن تو ایک ہی ہے۔ ہر عبارت تیرے حسن وجمال کی طرف مشیر ہے۔

تلازم محبتیں کو خوب ہی ظاہر کیا۔

قاصد رسید ونامہ رسید وخبر رسید در حیرتم کہ جاں بکدامی کنم نثار(۱)

ہائے قاصد بھی محبوب کا ہے اور نامہ بھی محبوب کا ہے اب کیا کہیں کہ کس سے مسرت زیادہ ہے یہی حال یہاں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قاصد ہیں اور قرآن نامۂ حق ہے ہر ایک اپنی طرف دل کو کھینچ رہے ہیں بس یوں کہنا چاہئے کہ ہمارے لیے ہر اک میں دوسرا موجود ہے حضور ﷺ نہ ہوتے تو ہم کو قرآن کیسے ملتا اور قرآن ملنے والا نہ ہوتا، تو حضور ﷺ کیوں تشریف لاتے اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں دونوں شاخیں موجود ہیں قرآن میں حضور کی بھی شان ہے یعنی نور کی۔ اور حضور میں قرآن کی شان موجود ہے یعنی کتاب مبین کی۔ شاید تم کہو کہ حضور میں کتاب کی شان کیونکر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ سبحان اللہ حضرت علیؓ تو ہر انسان کے متعلق فرماتے ہیں۔

دَوَاءُكَ فِيكَ وَمَا تَشْعُرُ وَدَاءُكَ مِنْكَ وَمَا تُبْصِرُ
وَاَنْتَ الْكِتَابُ الْمُبِيْنُ الَّذِيْ بِاَحْرُفِهِ يَظْهَرُ الْمُضْمَرُ
وَتَزْعُمُ اَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيْرٌ وَفِيْكَ الطَوِى الْعَالَمِ الْاَكْبَرُ(۲)

سو حضرت علیؓ تو ہر شخص کی نسبت فرماتے ہیں کہ تم کتاب مبین ہو کیونکہ انسان مظہر اتم ہے۔ الہیات کا اور ملکوت کا اس میں ہر شے کی نظیر موجود ہے۔

لوح محفوظ کی مثال

چنانچہ لوح محفوظ کی نظیر بھی اس میں موجود ہے اور اس بات کو مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے دیانند سرسوتی کے مقابلہ میں ظاہر فرمایا تھا ایک دفعہ اُس نے سوال کیا مسلمان کہتے ہیں کہ لوح محفوظ میں اول خلقت سے قیامت تک کے تمام واقعات لکھے ہوئے

(۱) ''محبوب کا قاصد بھی آیا نامہ بھی آیا خبر بھی آئی میں پریشان ہوں کہ جان کس پر نثار کروں (۲) سمجھتا نہیں اور تیری بیماری بھی تجھ ہی سے پیدا ہوئی ہے مگر تجھ کو بصیرت حاصل نہیں تو تو وہ کتاب مبین ہے جس کے حروف سے اسرار پوشیدہ ظاہر ہوتے ہیں تو خود کو حقیر لاشے سمجھتا ہے حالانکہ ایک زبردست عالم تجھ میں موجود ہے۔ واقعی انسان خود میں غور کرے تو عجائبات کا انکشاف ہو''۔

ہیں اور واقعات تو لاتعدد لاتحصی ہیں (۱) تو وہ کتاب بہت ہی بڑی ہوگی پھر وہ رکھی کہاں جاتی ہوگی۔ یہ سوال ایسا ہی تھا جیسے دو شخصوں میں بحث ہوئی ایک نے کہا کہ ہمارے دادا کے یہاں اتنا بڑا اصطبل تھا کہ اگر ایک کونہ میں گھوڑی نے بچہ دیا تو دوسرے کونہ تک پہونچتے بوڑھا ہوجاتا تھا دوسرے نے کہا جی ہاں پہلے لوگوں کے کارنامے ایسے ہی ہوتے تھے ہمارے دادا کے یہاں ایک بانس اتنا بڑا تھا کہ جب بارش نہ ہوتی تو وہ بادلوں میں اس سے سوراخ کردیا کرتے تھے جس سے بارش ہوجاتی تھی پہلا شخص بولا کہ اتنا جھوٹ بھلا اتنا بڑا بانس رکھا کہاں جاتا ہوگا کہا آپ کے دادا کے اصطبل میں رکھا جاتا تھا کیونکہ میرے دادا اور آپ کے دادا بہت دوست تھے تو جیسے اس شخص کو اُس بانس کے متعلق یہ اشکال ہوا کہ وہ کہاں رکھا جاتا ہوگا ایسے ہی دیانند کو لوح محفوظ پر شبہ ہوا کہ وہ کہاں رکھی جاتی ہوگی مولانا نے اس کا جلدی جواب نہیں دیا بلکہ ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے کہ لالہ جی آپ کی کتنی عمر ہے اُس نے کہا ستر برس کی مثلاً پوچھا کہاں کہاں تعلیم حاصل کی ہے کیا کیا پڑھا ہے اور آپ کو اپنے بچپن کے واقعات بھی کچھ یاد ہیں۔ اُس نے بیان کیا کہ میں نے پہلے وہاں تعلیم حاصل کی پھر وہاں میں نے اتنی کتابیں دیکھیں اور اتنی پڑھیں میں نے اتنے سال سیاحت کی مولانا نے پوچھا کہ یہ سب واقعات آپ کو یاد ہیں کہا ہاں اور بچپن کے واقعات بھی بہت یاد ہیں۔ اور جوانی کے اور سیر وسیاحت وتعلیم وغیرہ کے واقعات تو گویا اس وقت میرے سامنے ہیں غرض اُس نے اپنے حافظہ کی بہت تعریف کی مولانا نے پوچھا کہ یہ سب واقعات آپ کو محفوظ ہیں اس نے بڑے دعوے سے کہا جی ہاں بجنسہ سب محفوظ ہیں اب مولانا نے فرمایا کہ لالہ جی اس ذرا سے دماغ میں جو ایک بالشت سے بھی کم ہے ستر برس کے واقعات اور کتابوں کے مضامین اور لوگوں کی باہمی تقریریں اور ابحاث کس طرح سما گئے اس پر وہ خاموش ہوا۔ مولانا نے فرمایا کہ لوح محفوظ کی نظیر تو خود آپ کے اندر موجود ہے، آپ کا دماغ۔ پھر حیرت ہے کہ آپ لوح محفوظ پر یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ کہاں رکھی جاتی ہوگی

(۱) ان کی تو کوئی حد وشمار نہیں۔

آپ کو کبھی اپنے دماغ پر شبہ نہ ہوا کہ اس ذرا سے دماغ میں اس قدر بے شمار واقعات ومضامین کس طرح محفوظ رہتے ہیں پھر بعض انسانوں کی عمریں ہزار ہزار سال کی ہوتی ہیں۔ اوران کے حافظے ہم سے زیادہ قوی تھے اُن کے دماغ میں ہزار سال کے واقعات اور ہزاروں آدمیوں کی صورتیں کیونکر محفوظ رہتی تھیں تو یہ کیا ضرور ہے کہ جس چیز میں لاکھ دو لاکھ برس کے واقعات لکھے جائیں وہ طولاً وعرضًا بھی اتنی بڑی ہو کہ آسمانوں میں نہ سما سکے خدا تعالیٰ کو قدرت ہے کہ تھوڑے جسم میں جتنے چاہیں واقعات محفوظ کردیں چنانچہ ایک نظیر اُس کی انسان میں بھی موجود ہے اب تو دیانند مولانا کا منہ تکنے لگا تو انسانی دماغ مظہر لوح بھی ہے(۱) اور اس کا نفس تو اس سے بھی بڑھا ہوا ہے اور جب ہر انسان کی یہ کیفیت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو کیسی کچھ ہونا چاہیئے کیونکہ آپ تو اکمل البشر وافضل البشر ہیں۔ آپ میں اگر قرآن کریم کی شان اور لوح محفوظ کی شان موجود ہو تو کیا اشکال ہے۔

کمالات نبوی کا مظہر

بہر حال اس آیت میں نور کا مصداق گو قرآن بھی ہوسکتا ہے مگر سہل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مراد ہوں تو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا گیا ہے اور اس ایک لفظ میں تمام کمالات کو حضور کے لیے ثابت کردیا گیا ہے کیونکہ تمام کمالات کا مرجع یہی نور ہے کیونکہ نور کہتے ہیں اس کو جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو بھی ظہور عطا کرے اور کمالات کی یہی شان ہوتی ہے کہ خود بھی ظاہر ہوتے ہیں اور صاحب کمال کو ظاہر کرتے ہیں سو جو خود نور ہو وہ محتاج بیان کمالات نہیں ہوگا اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ تمام کمالات کا مرجع نور ہے علاوہ دلیل کے اس پر تمام عقلاء ومحققین صوفیہ کا اتفاق بھی ہے ان حضرات نے فیصلہ کیا ہے کہ اَصْلُ الْکَمَالَاتِ الْوُجُوْد تمام کمالات کی اصل وجود ہے اور اس کے مقابلہ میں کہا ہے اصل النقائص العدم کہ تمام نقائص کی اصل عدم ہے پھر بھی کہا ہے کہ وجود نور ہے کیونکہ اُس سے موجود کا ظہور ہوتا ہے اور عدم ظلمت ہے کیونکہ اس میں شے مخفی ومستور رہتی ہے پس جس قدر وجود کامل ہوگا اسی قدر اس میں شان

(۱) آج کل اس کی مثال سم بھی ہے کہ جس میں ہزاروں لوگوں کے احوال محفوظ ہیں وجود اس کا چھوٹا سا ہے ۱۲ خ۔

نور قوی ہوگی۔ حق تعالیٰ کا وجود سب سے اکمل ہے اس لیے وہ شان نور میں اصل ہیں اسی لیے فرماتے ہیں گیا اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۱) پھر جو چیز مظہر حق ہونے میں کامل ہوگ اُس میں یہ شان دوسروں سے زیادہ قوی ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظہر اتم ہیں صفات اللہ کے۔ اس لیے آپ کو بھی نور کہا گیا۔

قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کو لفظ نور سے تعبیر کرنے کی وجہ

باقی یہ سوال نہ کیا جائے کہ پھر بعض جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کیوں ظاہر کئے گئے ہیں اور بعض جگہ قرآن کو بھی تو نور کہا گیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہر مقام کا مقتضٰے جدا ہے کہیں مخاطب کسی مذاق کا ہے اس کے لیے ہندی کی چندی کی ضرورت تھی وہ لفظ نور سے حضور کے تمام کمالات پر استدلال نہ کرسکتا تھا اس لیے کمالات کی تفصیل کی گئی اور رہا قرآن کو بعض جگہ نور کہنا تو اس کا منشا بھی وہی ہے کہ قرآن بھی حق تعالیٰ شانہ کے کمالات وصفات کا مظہر ہے اِس لیے وہ بھی نور ہے۔ مگر یہاں چونکہ اہل کتاب سے خطاب ہے اور اہل کتاب کو قرآن سے چنداں ضد تھی بلکہ حضور سے ضد تھی کیونکہ ضد وحسد ہمجنس سے ہوا کرتا ہے اور حضور ان کے ہمجنس تھے نہ کہ قرآن۔ اِس لیے یہاں اُن پر احتجاج کے لیے حضور کو نور سے تعبیر کیا گیا کیونکہ وہ لوگ آپ سے واقف پوری طرح تھے يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (۲) چنانچہ احبار یہود کبھی کبھی تقیہ سے کسی اپنے خاص دوست کو بتلادیا کرتے تھے کہ یہ نبی برحق ہیں ان کے اتباع میں نجات منحصر ہے مگر عناد وحسد وتکبر نے راہ مار رکھا تھا اس لیے خود ایمان نہ لاتے تھے بس یہ عار مانع تھا کہ آج تو ہم حَبر وعلامہ کہلاتے ہیں ہزاروں ہمارے غلام ہیں اور اسلام کے بعد ہم غلام رسول کہلائیں گے تو اہل کتاب کے خطاب میں آپ کو نور فرمانا نہایت ہی مناسب ہوا اور اہل کتاب کا واقف ہونا تو چنداں عجیب نہیں کیونکہ وہ کتاب آسمانی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفات وحالات معلوم کئے ہوئے تھے حضور کی شان ظہور تو اس درجہ بڑھی ہوئی تھی

(۱) ''اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے'' سورۃ النور: ۵۳ (۲) یہ (کفار یہود) اس کو (حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (رسول من جانب اللہ ہونے میں) ایسے ہی (واضح طریق پر پہنچانتے ہیں جیسا اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔

کہ صنادید قریش (۱) جو محض امی تھے وہ بھی آپ کی حقانیت سے واقف تھے۔

سرداران قریش کا تکبر

چنانچہ بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ صنادید قریش نے باہم مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس وقت نماز پڑھ رہے ہیں فلاں جگہ اونٹ ذبح ہوا ہے کوئی جا کر اس کی آلائش اُٹھالائے اور جب یہ سجدہ میں جائیں تو ان کی کمر پر رکھدے چنانچہ ایک اشقی القوم کھڑا ہوا اور آلائش لایا اور عین سجدہ کے وقت آپ کی کمر مبارک پر اس کو رکھدیا آپ سجدہ میں دیر تک پڑے رہے پھر کسی نے حضرت فاطمہؓ کو جو اُس وقت بچی تھیں خبر کی وہ تشریف لائیں اور اس آلائش کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمر سے جدا کیا اور سردارانِ قریش کو برملا خوب بُرا کہا۔ راوی کہتے ہیں کہ جس وقت ان بدبختوں نے یہ حرکت کی تھی اُس وقت تو ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرتے تھے مگر جب نماز سے فارغ ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددُعا کی ہے اَللّٰھُمَّ عَلَیْکَ بِقُرَیْشٍ اَللّٰھُمَّ عَلَیْکَ بِاَبِیْ جَھْلِ بن ھِشَامٍ وَعُقْبَۃَ بِنِ اَبِیْ مُعَیْط الخ۔ تو اُس وقت سب کے رنگ فق ہوگئے کیونکہ جانتے تھے کہ آپ نبی ہیں اور آپ کی بددعا ٹل نہیں سکتی یہ کس قدر قہر حق ہے کہ حق واضح ہے اور پھر اُس سے رُکے ہوئے ہیں اسی طرح ایک دفعہ ابوجہل نے کہا کہ اب کے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ناک رگڑتے ہوئے دیکھا (یعنی نماز پڑھتے ہوئے) تو میں ان کی گردن پر پیر رکھ کر گلا گھونٹ دوں گا جرأت تو دیکھو کہ اس نالائق کا پیر، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن پر رکھنے کا ارادہ۔ ارے حضور کی تو شان وہ ہے کہ

بمقامیکہ نشاں کف پائے تو بود سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود(۱)

اور یہ شان ہے

در منزلیکہ جاناں روزے رسیدہ باشد باخاک آستانش درایم مرحبائے(۲)

چنانچہ ابوجہل کو خبر ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب نماز پڑھنے کو تیار ہیں وہ تکبر

(۱) سردارانِ قریش (۱) ''جہاں آپ کے قدم مبارک پڑے ہوں صاحب دل وہاں سالوں سجدہ ریز رہنا چاہتے ہیں'' (۲) ''جس منزل میں محبوب کسی روز پہنچے ہوں ہم اس کی چوکھٹ کی خاک کو مرحبا کہتے ہیں''۔

میں اکڑتا ہوا آیا اور حضور کی طرف اُسی گستاخی کے قصد سے چلا مگر قریب ہی پہنچا تھا کہ ہاتھ جھاڑتا ہوا پیچھے کو بھاگا کفار نے کہا اے عمرو! تجھے کس بلا نے کھایا ایسا ڈر کر کیوں بھاگا کہنے لگا کچھ نہ پوچھو میرے اور محمد کے درمیان میں آگ کی خندق تھی جس میں بڑے بڑے جانور منہ کھولے میرے اوپر حملہ کرنے کو تیار تھے اِس واسطے میں اُلٹا ہی بھاگ آیا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں أَرَءَيْتَ ٱلَّذِى يَنْهَىٰ ﴿٩﴾ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰٓ ﴿١٠﴾ أَرَءَيْتَ إِن كَانَ عَلَى ٱلْهُدَىٰٓ ﴿١١﴾ أَوْ أَمَرَ بِٱلتَّقْوَىٰٓ ﴿١٢﴾ أَرَءَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰٓ ﴿١٣﴾ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ ٱللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾ كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًۢا بِٱلنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَٰذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُۥ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ ٱلزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَٱسْجُدْ وَٱقْتَرِب (۱) حضور نے نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ آگ میں جو پرندے اس کو نظر آئے وہ فرشتے تھے بخدا اگر ذرا میرے پاس آتا تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی کر ڈالتے۔ یہ سب کچھ دیکھا مگر قہر تھا کہ ایمان نہ لایا۔ غرض ان لوگوں کو ایمان نہ لانے کا سبب عدم معرفت نہ تھی محض تکبر تھا کسی کو درجہ عناد میں کسی کو درجہ عار میں۔

ابوطالب بوجہ عار ایمان نہ لائے

چنانچہ حضرت ابوطالب کے لیے یہی عار مانع تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جاں نثار تھے اور جانتے تھے کہ میرا بھتیجا سچا ہے اور ہمیشہ حضور کے صدق و دیانت کے اشعار میں مدح کرتے رہے مگر ایمان نہیں لائے اور جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

(۱) اے مخاطب (عام) بھلا اس شخص کا حال تو بتلا جو (ہمارے) اب خاص بندہ کو منع کرتا ہے۔ جب وہ (بندہ) نماز پڑھتا ہے۔ اور اے مخاطب بھلا یہ تو بتلا اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو (جو کہ کمال لازمی) ہے) یا اس نے حکم دیا ہو تقوی کا۔ کیا تو نے دیکھا اگر (منع کرنیوالے نے) جھٹلایا اور روگردانی کی۔ کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ (اس کے طغیان وغیرہ کو) دیکھ رہا ہے۔ ہرگز (ایسا) نہیں کرنا چاہیے اور (اگر یہ شخص باز نہ آوے گا تو ہم (اس کو) پنٹھے پکڑ کر۔ جو کہ دروغ اور خطا میں آلودہ پنٹھے ہیں (جہنم کی طرف) گھسیٹیں گے۔ سو یہ اپنے ہم جلسہ کے لوگوں کو بلا لیتے۔ (اگر اس نے ایسا کیا تو) ہم بھی دوزخ کے پیادوں کو بلا لیں گے۔ (آگے پھر سرزنش ہے کہ اس کو) ہرگز (ایسا) نہیں (کرنا چاہیے مگر) آپ اس کا کہنا نہ مانیے اور بدستور (نماز پڑھتے رہیے اور (خدا کا) قرب حاصل کرتے رہیے۔ سورۃ العلق: ۹۔۱۹

نزع کی حالت میں اُن سے کہا کہ اے چچا ایک دفعہ میرے کان ہی میں لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہدو تا کہ حق تعالیٰ کے یہاں عرض معروض کا موقعہ مل جائے تو جواب یہ دیا کہ اے بھتیجے میں جانتا ہوں کہ تو سچا ہے اور تیرا دین حق ہے اور میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا مگر مجھے شرم آتی ہے کہ قریش کی بوڑھی عورتیں یہ کہیں گی کہ ابوطالب نے موت کے خوف سے اور جہنم کے ڈر سے اپنا آبائی مذہب بدل دیا۔ چنانچہ نہیں ایمان لائے اور اخیری بات جو زبان سے نکلی وہ یہ تھی ھُوَ عَلٰی دِیْنِ عَبْدِالْمُطَّلَبْ کہ میں عبدالمطلب کے طریقہ پر مررہا ہوں اور بڑی وجہ ابوطالب کے اعراض کی یہ ہوئی کہ اس وقت کمبخت ابوجہل موجود تھا جب حضور کچھ فرماتے اُسی وقت وہ کمبخت یوں کہتا کہ اے ابوطالب کیا عبدالمطلب کے طریقہ سے اعراضکرتے ہو کیا موت سے ڈرتے ہو؟ یہ نالائقِ شیطان کا بھی شیطان تھا۔

فرعون کا بوجہ تکبر ایمان سے انکار

جیسے ہامان فرعون کا بھی فرعون تھا۔ کیونکہ سیر میں ہے کہ فرعون تو کئی دفعہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کو تیار ہوگیا تھا مگر ہر دفعہ یہ نالائق ہامان اُس کو روکتا تھا چنانچہ ایک دفعہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر میں ایمان لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ فرمایا آخرت کا ثواب تو الگ ہے دنیا میں تجھ کو چار چیزیں ملیں گی حیات دائمی قیامت تک زندہ رہے گا اور سلطنت دائمی کہ قیامت تک بادشاہ ہی رہے گا کبھی معزول نہ ہوگا اور ہمیشہ جوان رہیگا بڑھاپا نہ آئیگا اور ہمیشہ تندرست رہے گا بیمار کبھی نہ ہوگا بھلا زندگی میں دنیا میں ان چار نعمتوں سے زیادہ اور کیا چاہیئے فرعون ایمان لانے کے قریب ہوگیا کیونکہ عمر بھر کے تجربہ اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات باہرہ سے اس کا اس کو یقین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جھوٹا وعدہ کبھی نہیں کرسکتے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا ۚ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ (۱) فرعون نے یہ سن کر کہا کہ اے موسیٰ میں ذرا مشورہ کرلو پھر ایمان لاؤں گا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ

(۱) ''(اور غضب تو یہ تھا کہ) ظلم اور تکبر کی راہ سے ان (معجزات) کے (بالکل) منکر ہوگئے حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کرلیا تھا سو دیکھیے کیسا (برا) انجام ہوا ان مفسدوں کا'' سورۃ النمل: ۱۴۔

ہامان سے مشورہ نہ کرنا اور جس سے چاہے کر لینا۔ اُس نے اوّل آ کر اپنی بی بی سے مشورہ کیا یعنی آسیہ علیہا السلام سے جو ولیہ اور کاملہ تھیں انہوں نے فرمایا۔

اللہ اللہ، ہیچ تاخیری مکن کہ زبحر لطف آمد ایں سخن(۱)
اللہ اللہ زود بشتاب وبجود چونکہ بحر رحمت ست ایں نیست جو
اللہ اللہ تو گماں بد مبر برچنیں انعام عالم اے بے خبر

مولانا نے مثنوی میں یہ قصہ لکھا ہے اور کئی شعروں میں یہی مضمون ہے کہ اللہ اللہ جلدی اِس نعمت کو لے لو اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے مگر ہامان کمبخت کو جو خبر ہوئی کہ فرعون ایمان لانے پر تیار ہے تو اس نے فوراً تلوار نیام سے نکال کر سامنے رکھی کہ پہلے ہامان کی گردن اُڑا دیجئے پھر جو چاہے کیجئے مجھ سے تو یہ نہ دیکھا جائیگا کہ اب تک خدا تھے اور اب بندہ بنو گے۔ بس یہ بات سن کر اس کو بھی تکبر نے گھیر لیا اور ایمان سے انکار کر دیا۔ تو یہ تکبر بڑی بلا ہے بڑا قہر ہے اسی لیے صوفیہ کرام سب سے پہلے تکبر کا علاج کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ہونے کی تمنا نہ کرو

اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ ہم لوگوں کو جو بعض دفعہ یہ تمنا ہوتی ہے کہ کاش ہم حضور کے زمانہ میں ہوتے یہ ٹھیک نہیں ہم لوگوں کا حضور کے زمانہ میں نہ ہونا اور اب ہونا یہی نعمت ہے کیونکہ ہم اگر اس وقت بھی ہوتے تو ایسے ہی ہوتے جیسے اب ہیں اور اب ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارا اندر تکبر ہے اور اتباع علماء سے اعراض ہے تو اُس وقت اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ایمان ہی نصیب نہ ہوتا کیونکہ عادت مالوفہ یکلخت ترک کر دینا بڑی ہمت کی بات ہے جو ہر ایک سے نہیں ہو سکتی دیکھے آج کل بہت سے عقلاء رسوم قدیمہ کی قباحت سے واقف ہیں مگر چونکہ طبائع اُن سے مالوف ہو چکی ہیں اس لیے باوجود علم کے ترک نہیں کر سکتے۔ یہی حال اس وقت کے عقلاء کا تھا کہ ان میں بھی بہت سے اسلام کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق سے بخوبی واقف تھے مگر جس طریقہ سے پہلے سے طبائع مالوف تھیں اس کا چھوڑنا گراں ہوتا تھا اِس

(۱) ''اس بات کو قبول کرنے میں ہرگز تاخیر نہ کرو اس وقت اللہ کی رحمت کا دریا موجزن ہے''۔

لیے ہمارے حق میں تو یہی بہتر ہوا کہ بعد میں پیدا ہوئے عار واستکبار کا کوئی سبب نہیں پایا گیا باپ دادا کی موافقت ایمان کا سبب ہوگیا۔ اور مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے سے مفت میں ایمان مل گیا بس یہی اچھا ہوا کہ حضور کے بعد پیدا ہوئے اور غائبانہ محبت کے اسباب ایسے جمع ہوگئے کہ آپ کی زیارت کو ترستے ہیں اور قیامت میں یا قبر میں زیارت بھی ہوجائے گی یا خواب میں شاید کبھی یہاں بھی ہوجائے۔

قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت

ایک حدیث کے بعض الفاظ سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ قبر میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی وہ الفاظ نکیرین کے سوال میں یہ ہیں مَنْ هٰذَا الرَّجُلُ اس سے اِس طرح سمجھا ہے کہ ہذا کی اصل اشارہ حسیہ ہے تو مشار الیہ محسوس ہونا چاہئے۔ بس اسی بھروسہ پر دن گزار رہے ہیں ان شاء اللہ مرہی کر آپ کو دیکھ لیں گے۔ اس پر مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا ایک لطیفہ یاد آیا۔ مولانا نے فرمایا حق تو یہ تھا کہ ہم حضور کے سامنے مرتے قدموں میں جان نثار کرتے اور آپ ہمارے جنازہ کی نماز پڑھتے مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے یہ نہیں ہوا تو اب یہ تو ہوگا کہ بجائے جنازہ پر تشریف لانے کے حضور قبر ہی میں تشریف لائیں گے پھر یہ شعر پڑھا۔

کششے کہ عشق دارو نگذاردت بدیں سال بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد(۱)

یہ کسی کی بڑی اچھی غزل ہے اس میں ایک اور شعر بھی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا چسپاں ہے۔

ہمہ آہواں صحرا سر خود نہادہ برکف بامید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد(۲)

جانوروں کی جاں نثاری

حدیث میں آتا ہے کہ حجۃ الوداع میں حضور نے سو اونٹ قربانی کئے تھے جن میں سے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر فرمائے تھے۔ اور یہاں سے معلوم ہوا

(۱) ''عشق میں وہ کشتی ہے کہ اتنے سالوں سے نہیں ملے جنازہ پر نہیں آئے تو میری قبر پر تو آجانا''
(۲) ''جنگل کے تمام جانوروں نے اس امید پر کہ آج محبوب شکار کے لئے آئے گا اپنے سر ہتھیلی پر رکھ لئے''۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فقیر و مفلس نہ تھے جیسا کہ بعض جاہل واعظ بیان کیا کرتے ہیں۔ آپ سخی تھے کہ سخاوت کی وجہ سے گھر میں کچھ رکھتے نہ تھے۔ مفلس نہ تھے ورنہ کہیں غریب و مفلس بھی سو اونٹ کی قربانی کیا کرتے ہیں۔ آپ کا فقر اضطراری نہ تھا اختیاری تھا۔ اسخیاء کو مفلس و غریب کون کہہ سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور کے ہاتھ میں قوت کس درجہ تھی کہ تریسٹھ اونٹوں کی قربانی تنہا اپنے ہاتھ سے فرمائی۔ ہم سے تو ایک چڑیا بھی نہ کٹے۔ کانپور میں ایک اونٹ کو تیرہ چودہ آدمیوں نے مل کر قربانی کیا تھا پھر بھی دقّت سے قابو میں آیا اور حضور نے لٹا کر ذبح نہ کیا تھا بلکہ ایک پیر کو تسمہ بندھوا کر کھڑا کر کے سب کو نحر کیا تھا تو حدیث میں آتا ہے کُلُّھُنَّ یَزْدَلِفْنَ اِلَیْہِ کو ذبح کے وقت ہر اونٹ آہستہ آہستہ قدم اُٹھا کر اپنی گردن کو آپ کے برچھے کی طرف بڑھاتا تھا کہ پہلے مجھے نحر فرمایئے۔ سبحان اللہ کیا شان محبوبیت تھی کہ جانور عاشق تھے اور آپ کے ہاتھ سے سب سے اوّل ذبح ہونا چاہتے تھے۔ بس اُس وقت ان کی یہ حالت تھی۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف بامید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد(۱)

غرض معاصرت اصل منافرت ہے اس لیے یہود کو اور صنادید قریش کو حضور سے حسد رہا ہجرت کے بعد بھی غریب لوگ زیادہ ایمان لائے۔ صنادید قریش جب بھی پیچھے پیچھے جاتے تھے حتی کہ فتح مکہ کے بعد سب کے بعد قریش سب کے سب مسلمان ہوئے تو چونکہ یہود پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نبوت اور آپ کے کمالات سب سے زیادہ ظاہر تھے۔

وصف نور کا ذکر

اور اس جگہ یہود ہی سے مخاطبت ہے چنانچہ اِس آیت کا اول جزو اس پر دال ہے وہ یہ ہے۔ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا

(۱) ''جنگل کے تمام جانوروں نے اس امید پر کہ آج محبوب شکار کے لئے آئے گا اپنے سر ہتھیلی پر رکھ لئے''

عَنْ كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ الخ (۱) اس لیے یہاں حضور کے لیے وصف نور لانا زیادہ زیبا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے سراپا نور ہیں۔ آپ کی شان تمہارے سامنے بالکل کھلی ہوئی ظاہر ہے اور دوسرے مقامات کے مناسب دوسرے صفات بیان کئے گئے ہر سخن نکتہ و ہر نکتہ مقامے دارد تو اس جگہ حق تعالیٰ نے حضور کی ایک بہت بڑی صفت بیان فرمائی ہے جو تمام صفات سے مستغنی ہے اسی کو میں بیان کرنا چاہتا تھا کہ ہمارے حضور جو دُنیا میں تشریف لائے ہیں تو سراپا نور بن کر آئے ہیں کہ خود بھی منور ہیں اور دوسروں کی ظلمت کو بھی نور سے مبدل فرماتے ہیں بشرطیکہ وہ نور کے طالب ہوں اور اسی سے طریقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف کا بھی معلوم ہوگیا کہ اس طرح ذکر کرنا چاہیئے جس طرح حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ آپ کی شان تنویر عالم و ہدایتِ جان بنی آدم کو ذکر کیا جاوے۔

بس اب میں ختم کرتا ہوں گو اجزاء مضمون کے اور بھی رہ گئے ہیں مجھے درمیان میں وقت کا پتہ نہیں چلا اس لیے تمہید طویل ہوگئی دفعۃً اذان عصر سے تنبہ ہوا کہ وقت زیادہ گزر گیا اگر موقعہ ہوا تو ان شاء اللہ پھر بقیہ اجزاء کا بیان ہوجائیگا اس وقت تو یہی مضمون کافی ہے کیونکہ دیر بہت ہوگئی اب دعاء کیجئے کہ حق تعالیٰ ہم کو اپنی محبت اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرمائیں اسی محبت میں جلائیں اور اسی پر ماریں اور اسی پر اُٹھائیں۔ آمین (۲)

وصلی اللّٰہ علی سیدنا محمدنِ الحبیب المحبوب وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اشرف علی ۸۔ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ

خلیل احمد تھانوی ۲ / ربیع الاول ۱۴۴۳ھ

(۱) ''اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آئے ہیں، کتاب میں سے جن امور کا تم اخفاء کرتے ہو ان میں سے بہت سی باتوں کو تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں اور بہت سے امور کو واگذاشت کردیتے ہیں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہیں اور ایک کتاب واضح (یعنی قرآن مجید)'' سورۃ المائدہ: ۱۵

(۲) اللہ تعالیٰ ہم سب کے حق میں یہ دعاء قبول فرمائے۔ آمین

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی:
ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعۃ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاہور

حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی (زیدہ مجدہٗ) مہتمم جامعہ ہٰذا کی مختلف دینی وسماجی تقریبات میں شرکت۔

- 27 نومبر: مولانا عبدالحمید زاہد فاضل جامعہ ہٰذا کی دعوت پر شالیمار ٹاؤن لاہور اِن کے مدرسہ میں تقریب تقسیم انعامات میں تلاوت فرما کر کامیاب طلباء کو انعامات سے نوازا۔
- 27 نومبر: دارالعلوم عزیزیہ مکی مسجد بوہڑ والا چوک محفل قراءۃ میں تلاوت کی۔
- 28 نومبر: قاری فیصل فاضل جامعہ ہٰذا کے عزیز کی تقریب تکمیل قرآنِ کریم جلوموڑ لاہور میں شرکت فرما کر تلاوت وبیان فرمایا۔
- 10 دسمبر: چنیوٹ مدرسہ فاطمہ الزہرا جمال القرآن کی مسجد میں خطبہ جمعۃ المبارک ارشاد فرمایا۔
- 11 دسمبر: رحمے شاہ سمندری مولانا امجد صاحب کی دعوت پر محفل قراءۃ میں تلاوت فرمائی۔
- 16 دسمبر: محکمۂ تعلیم کا اعلیٰ سطحی وفد اسلام آباد سے جامعہ ہٰذا تشریف لایا اور حکومتی سطح پر سکول وکالج میں تعلیم قرآنِ پاک کی عملی تنفیذ کے حوالہ سے اہم مشاورت کی حضرت مہتمم صاحب اور مولانا ڈاکٹر رشید احمد تھانوی

ناظم شعبہ امتحانات جامعہ ہٰذا نے تفصیل سے راہنمائی فرمائی۔

- 19 دسمبر: قاری داؤد صاحب (استاذ شعبہ حفظ جامعہ ہٰذا) کی دعوت ولیمہ میں شرکت اور دعاء فرمائی۔
- 23 نومبر بروز منگل انٹرنیشنل بین المذاہب امن کانفرنس اسلام آباد میں جامعہ ہٰذا کے شیخ الحدیث مولانا مفتی مبشر احمد نظامی کو عظیم دینی وملی خدمات پر وزیر خارجہ محترم شاہ محمود قریشی وخطیب باشاہی مسجد لاہور مولانا عبدالخبیر آزاد نے قیمتی امن ایوارڈ سے نوازا۔

❁❁❁
❁